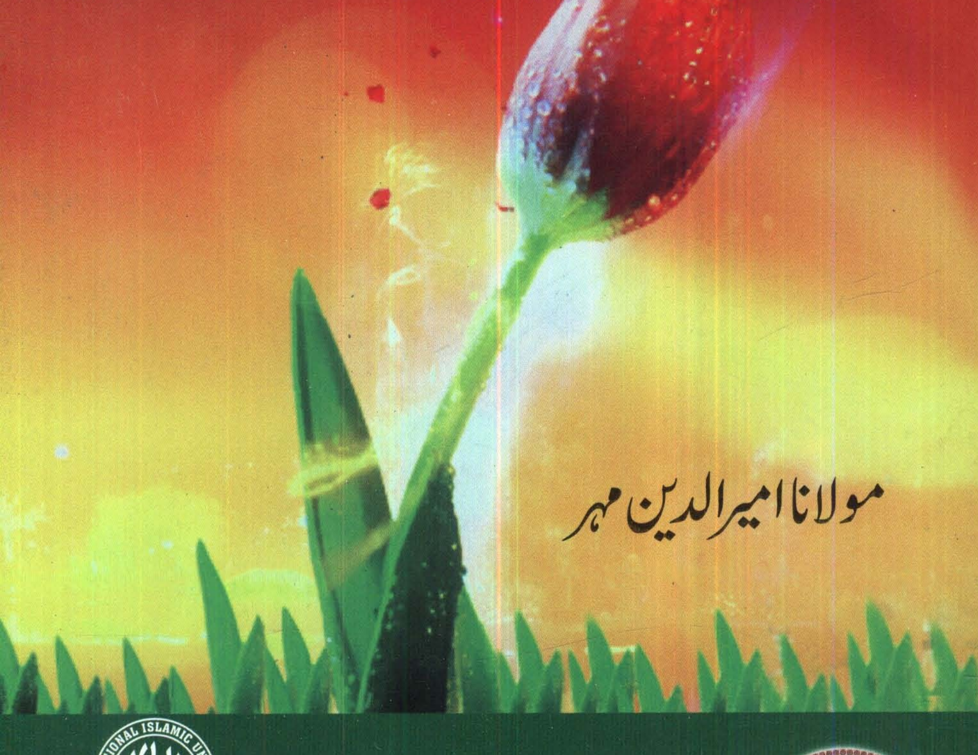
خدمتِ خلق

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں



مولانا امیر الدین مہر

دعوۃ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

Silver Jubilee 1985-2010

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ



مجلس التحقیق الاسلامی کے زیراہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

خدمتِ خلق

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں

مولانا امیر الدین مہر

دعوۃ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

کتاب	:	خدمت خلق
نام مؤلف	:	مولانا امیر الدین مہر
نظر ثانی و تدوین	:	محمد شاہد رفیع
حروف خوانی	:	عبدالحنان حامد
نگران طباعت	:	حیران خٹک
سرورق	:	طارق اعظم
کمپوزنگ	:	محمد اعظم
اشاعت	:	۲۰۱۰ء
تعداد	:	۳۰۰۰
مطبع	:	ادارہ تحقیقات اسلامی پریس اسلام آباد
قیمت	:	۴۰ روپے

ISBN- 969-556-010-5

ناشر

دعوۃ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی پوسٹ بکس ۱۴۸۵ اسلام آباد

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

حضور ختمی المرتبت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مخلوق کو اپنا کنبہ قرار دیا ہے: ''اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہ'' مخلوقِ خدا کے ساتھ بھلائی کو اپنے ساتھ بھلائی اور بدسلوکی کو اپنے ساتھ بدسلوکی قرار دیا ہے اور اس بھلائی کو صرف ایمان والوں تک محدود نہیں کیا بلکہ اس کا دائرہ پوری بنی نوعِ انسان تک وسیع رکھا۔ قرآن کریم نے ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا اور ایک انسان کی جان بچانا پوری انسانیت کی جان بچانے کے مترادف ٹھہرایا۔

بلاشبہ مومن پر حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی فرض قرار دی گئی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ گرامی کے مطابق اللہ جل شانہٗ اپنا حق تو معاف فرمادیتے ہیں لیکن حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں فرماتے جب تک جس کا حق چھینا گیا ہے وہ خود نہ معاف کردے۔

عصرِ حاضر کا سب سے بڑا المیہ دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ زنی ہے اور آج ہر طرف پھیلی ہوئی افراتفری اور انتشار کا سب سے بڑا سبب حقوق العباد کی ادائیگی سے فرار ہے۔ قرآن مجید اور سنت رسالت مآبؐ میں جہاں بھی حقوق اللہ کا ذکر آیا تو معاً بعد حقوق العباد کی جانب بھی متوجہ کیا گیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''خدمت خلق قرآنی تعلیمات کی روشنی میں'' مولانا امیرالدین مہر کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ مولانا نے مختلف طبقات کے حقوق اور ان کی ادائیگی سے متعلق قرآنی احکام کو نہایت عمدہ اسلوب میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ جل شانہٗ مولانا کی اس کوشش کو قبول فرمائے۔ دعوۃ اکیڈمی عمدہ اسلوب میں ترتیب دی گئی یہ کتاب پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے۔ اللہ جل شانہٗ ہمیں توفیق ارزانی فرمائے کہ ہم احکامِ قرآنی اور ارشاداتِ رسالت مآب ﷺ کو افادۂ عام کے لیے بہتر سے بہتر انداز میں پیش کرنے کا فریضہ بطریقِ احسن سرانجام دے سکیں۔ آمین

پروفیسر ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن
ڈائریکٹر دعوۃ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

سخن ہائے گفتنی

الحمد للہ وکفی والصلوۃ والسلام علی خاتم الانبیاء محمد المصطفی وعلی الہٖ اصحابہ الذین اصطفیٰ اما بعد

انسان اپنی فطری، طبعی ، جسمانی اور روحانی ساخت کے لحا ظ سے سماجی اور معاشرتی مخلوق ہے۔ یہ اپنی پرورش ، نشوونما ، تعلیم و تربیت، خوراک و لباس اور دیگر معاشرتی و معاشی ضروریات پوری کرنے کے لیے ابنائے نوع (دوسرے انسانوں) کا لازماً محتاج ہوتا ہے۔ یہ محتاجی قدم قدم پر اسے محسوس ہوتی اورپیش آتی ہے۔

اسلام ایک دین فطرت ہے اس لیے اس نے اس کی تمام ضروریات اور حاجات کی تکمیل کا پورا بندوبست کیا ہے۔ یہ بندوبست اس کے تمام احکام و اوامر میں نمایاں ہے۔ جن کو مختلف عنوانات اور موضوعات میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ کہیں انہیں معاشرتی و عائلی قوانین و احکام کی صورت میں، کہیں اخلاقی احکام کی صورت میں، کہیں حقوق و فرائض کے دائرے میں اور کہیں باہمی محبت و شفقت کے عنوان سے نمایاں کیا ہے۔

ان احکام کو صرف اخلاق و آداب بنا کر انسان کے لیے اختیاری نہیں رکھا بلکہ ان پر عمل پیرا ہونے کے لیے ترغیب دے کر اجروثواب کا وعدہ کرکے وعید و عذاب بتا کر لازم کیا۔ انسان کی لازمی ضروریات و احتیاجات کو

حاجت مندوں کے لازمی حقوق کا نام دے کر، اصحاب ثروت پر فرائض کی ذمہ داریاں بناکر ، اس کے رحمت و شفقت کے جذبے کو اپیل کرکے، اس کی اپنی ضروریات کی طرح دوسروں کی ضروریات کا احساس دلا کر ، معذوروں اور بے سہارا لوگوں کی خدمت کا جذبہ پیدا کرکے ، اس کام کو عبادت ، اللہ کی رضا اور اجروثواب کا باعث اور فلاح دارین کا کام بتاکر باہمی خدمت کا داعیہ پیدا کیا ہے۔

اسلام نے روزِ اوّل سے انبیاء کرام کے اہم فرائض میں اللہ کی مخلوق پر شفقت و رحمت اور ان کی خدمت کی ذمہ داری عائد کی ۔ اس ذمہ داری کو انہوں نے نہایت عمدہ طریقہ سے سرانجام دیا۔اس کام کو ان کی سوانح حیات میں تفصیل سے دیکھا جاسکتا ہے۔

موجودہ دور میں عام طور پر مسلم ممالک کی بڑی جامعات میں سوشیالوجی اور سوشل ورک (سماجی خدمات) کے شعبے قائم ہیں اوراس مضمون کو بی اے اور ایم اے کی سطح تک پڑھایا جاتا ہے۔ اور اس کام کو سرانجام دینے کے لیے سرکاری ، نیم سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر بڑے وسیع پیانے پر کام ہورہا ہے اور ہزاروں کی تعداد میں این جی اوز (NGOs) قائم ہیں اور مزید قائم ہو رہی ہیں۔

جب اس جدید شعبے کی کتب کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور اس کی بنیاد تلاش کی جاتی ہے تو اس کے ماہرین اسے سولہویں اور سترہویں صدی کا علم اور ایجاد بتاتے ہیں۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ حکومت انگلستان نے غرباء کی امداد کے لیے پہلا مفید قدم ۱۵۳۱ء میں اٹھایا۔ بادشاہ ہنری ہشتم نے ۱۵۳۱ء میں ایک قانون نافذ کیا جس کے تحت مجسٹریٹ اور دوسرے سرکاری ملازمین کا فرض تھا کہ وہ معذور غرباء کی مدد کی جانچ پڑتال کریں۔ (سماجی بہبود ڈاکٹر محمد خالد ص۴ ایڈیشن۳۳) ان

مفکرین کی نظر میں سماجی بہبود کی تعریف اوراس کے مقاصد یہ ہیں :

سماجی بہبود سے مراد سماجی خدمت اور اداروں کا وہ منظم نظام ہے جس کا مقصد افراد اور گروہوں کی مدد کرنا ہے تاکہ وہ صحت مند زندگی گزار سکیں اور ساتھ ہی ان کے ذاتی اور سماجی تعلقات ایسے ہو جائیں جو ان کی صلاحیتیں بڑھائے اور ان کے خاندان اور جماعت کی ترقی کے ضامن ہوں۔ (سماجی بہبود، ڈاکٹر محمد خالد ص۳ ایڈیشن ۳۳، بحوالہ فرائڈ لینڈر)

اسلامی تاریخ اور قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ سماجی بہبود کا تصور اور اس کا نظام سترہویں صدی میں تشکیل نہیں پایا بلکہ آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے اسلام نے سماجی بہبود کا جامع نظام تیار کیا اور اس پر عمل کرکے دکھایا۔ اسلامی تعلیمات کی رُو سے سماجی بہبود کے مقاصد بھی مغربی تصور سے کہیں زیادہ وسیع اور بلند ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں رفاہی، اصلاحی اورعوامی بہبود کی ریاست قائم کی تھی۔ وہ ایک مثالی اور معیاری ریاست تھی۔ بقول خلیفہ عبدالحکیم (م۔۱۸۹۵ء) آج دنیا طویل آزمائش اور طویل جدوجہد کے دشوار گزار دور سے گزر کر درجہ بدرجہ آنحضرت ﷺ کے تصور مملکت کی معقولیت اور صداقت دیکھنے کے قریب آ رہی ہے۔ (سماجی بہبود ص ۴۲۔ ڈاکٹر محمد خالد ایڈیشن ۳۳)

اسلام نے جو سماجی بہبود کے مضبوط ادارے قائم کیے اور ان کے بارے میں وسیع تعلیم دی اس کا مختصر سا تذکرہ قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تذکرہ بہت ہی اختصار سے اور صرف قرآنی آیات کی روشنی سے مستعار نکات کی صورت میں ہے۔ اگراس سے سنت نبوی اور عمل صحابہ اور فقہاء کی تصریحات ، تشریحات اور قانون سازی کو ملایا جائے تو ضخیم کتاب بن جائے۔

قرآن مجید کی روشنی میں اس کام کو دیکھیں اور جدید افکار کے حامل این جی اوز کا کام اور کردار دیکھیں تو ان دونوں کاموں میں بُعد المشرقین اور دن رات کا فرق نظر آئے گا۔

اللہ ارحم الراحمین نے اپنی کتاب میں خدمت خلق اورسماجی کاموں کی جو اجمال اور تفصیل دی ہے۔ اس کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو روزِ اوّل سے اسلامی تعلیمات میں یہ نظام نمایاں اور اپنے میدان میں ہمہ گیر اور ہمہ جہت نظر آتا ہے۔

زیر مطالعہ کتابچے میں اس موضوع اور فن پر صرف قرآنی تعلیمات پیش کی جارہی ہیں۔ اسے غور سے پڑھیں گے تو قرآنی تعلیمات کا اچھا خاصا حصہ اس تعلیم پر مشتمل نظر آئے گا اور یہ تعلیم اتنی واضح ہے کہ کسی ابہام کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

اس کے بعد سنت نبوی کی روشنی میں اسے مطالعہ کے لیے پیش کیا جائے گا جس سے اندازہ ہوگا کہ اسلام کس طرح ایک سماجی و فطری دین ہے اور اس کی تعلیم میں خدمتِ خلق کی طرف کتنی وسیع رہنمائی کی گئی ہے۔

قارئین کرام سے بصد ادب گزارش ہے کہ کتابچے کے مطالعہ کے دوران اس خطا کار کی لغزش اور کجی کوتاہی نظر آئے تو الدین النصیحۃ کے اصول کے تحت مجھے ضرور مطلع کریں اور میری استغفار کے لیے دعا فرمائیں۔

احقر

امیر الدین مہر

قرآن مجید اور خدمت خلق

قرآن مجید نے اپنے آغاز نزول سے ہی بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کو واضح طور پر بیان کرنے کے بعد دو باتوں پر خاص زور دیا۔ ایک یہ کہ انسان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط و مستحکم ہو، وہ صرف اسی کی عبادت کرے اوراس کے سوا کسی کے سامنے اپنا سر نہ جھکائے۔ دوم یہ کہ وہ انسانوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئے ،حق داروں کے حقوق پہچانے اور انہیں ادا کرے، ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے، قرابت داروں، ہمسایوں، یتیموں ، مسکینوں ، مسافروں اور حاجت مندوں کی جو ضرورتیں پوری کر سکتا ہے وہ پوری کرے اور باقی کے لیے ان سے اپنی بے بسی بتا کر ہمدردی و دلجوئی کا انداز اختیارکرے اور کر سکے تو کسی اور کے پاس ان کو لے جائے اور ان کی حاجت روائی کرائے۔ بہرحال جو شخص بھی اس کی خدمت کا مستحق ہو اور جس کی خدمت کرنا اس کے بس میں ہو وہ اس کی خدمت سے محروم نہ رہے۔ وہ طاقتور ہے تو کمزوروں پر دست درازی نہ کرے بلکہ ان کو سہارا دے اور ان کی تقویت کا ذریعہ بنے۔ لوگوں کی جان، مال، عزت وآبرو کی اپنی جان، مال اورعزت و آبرو کی طرح حفاظت کرے، کسی کے ساتھ دھوکے اورفریب کا معاملہ نہ کرے، ناپ و تول میں کمی بیشی نہ کرے، بلکہ ہر حال میں عدل و انصاف کرے اور دیانت و امانت پر قائم رہے۔ اس کا وجود معاشرے کے لیے کلفت و آزار کا باعث نہ

ہو، بلکہ آسائش و راحت کا سبب بنے اور اس کی ذات سے سب کو نفع پہنچے۔

اس تعلیم کا خلاصہ اور اثر پذیری کی مثال حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی وہ تقریر ہے جو انہوں نے نجاشی کے دربار میں سن ۵ نبوی میں کی تھی۔ وہ کہتے ہیں:

> اے بادشاہ! ہم جہالت میں مبتلا تھے، بتوں کو پوجتے تھے، نجاست میں آلودہ رہتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے ہودہ بکا کرتے تھے۔ ہم میں انسانیت اور سچی مہمانداری کا نشان نہ تھا۔ ہمسایہ کی رعایت نہ تھی اور زندگی کا کوئی قاعدہ و قانون نہ تھا۔ ایسی حالت میں اللہ نے ہم میں ایک نبی معبوث کیا، جس کے حسب و نسب، سچائی و دیانتداری، تقویٰ اور پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے۔ اس نے ہم کو توحید کی دعوت دی اور سمجھایا کہ اس اکیلے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانیں۔ اس نے ہم کو پتھروں کی پوجا سے روکا۔ اس نے فرمایا ہم سچ بولا کریں، وعدہ پورا کیا کریں، گناہوں سے دور رہیں اور برائیوں سے بچیں۔ اس نے حکم دیا کہ ہم نماز پڑھا کریں، صدقہ کیا کریں اور روزے رکھا کریں۔
>
> (سیرت ابن ہشام ج۱ص ۱۱۶)

قرآن مجید نے حقوق العباد کی ادائیگی اور خدمت خلق کے کام کو اس قدر اہمیت دی کہ مکی سورتوں میں مختلف پیرایوں سے بار بار کہیں اختصار کے ساتھ اور کہیں تفصیل سے ان کو بیان کیا۔ اس کا ایک بڑا اچھا اور عمدہ نمونہ اور مجموعہ سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں ملتا ہے۔ فرمایا گیا: اللہ کا فیصلہ ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ ماں باپ کے ساتھ حسن

سلوک کرو، وہ بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو خصوصیت سے ان کا خیال رکھو، ان کے سامنے تواضع و انکساری کے ساتھ جھک جاؤ۔ درشتی و سختی سے پیش نہ آؤ اور ان کے لیے دُعائیں کرتے رہو۔ قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرو۔ بے جا خرچ نہ کرو، ایسا کرنا شیطانی کام ہے، اگر تم اپنی غربت اور افلاس کی وجہ سے ان کی مدد نہ کرسکو تو نرمی سے معذرت کردو۔ کنجوسی اختیار نہ کرو اور نہ ہی تمام مال خرچ کرڈالو۔ اپنی اولاد کو اس خطرے سے نہ مار ڈالو کہ تم ان کو کچھ کھلا نہ سکو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بھی کھلائے گا اور ان کو بھی کھلائے گا۔ قتل اور وہ بھی اپنی اولاد کا بہت بڑا گناہ ہے۔ زنا کے قریب نہ پھٹکو یہ بے حیائی کا کام اور غلط راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی جان کو باعزت اور محترم ٹھہرایا ہے ۔ اس لیے جب تک حق و انصاف اس کی جان لینے کا تقاضا نہ کریں اس کے خون سے اپنا ہاتھ آلودہ نہ کرو، یتیم کو بے آسرا سمجھ کر اس کا مال نہ کھاؤ۔ جب وہ جوان ہوجائے تو اس کا مال اس کے حوالے کردو، ناپ و تول میں کمی نہ کرو۔ جس بات کا تمہیں علم نہیں ہے اس کے پیچھے نہ لگو۔ یاد رکھو کان، آنکھ اور دل و دماغ ہر ایک کے بارے میں اللہ کے ہاں سوال ہو گا۔ تکبر و غرور کی چال نہ چلو۔ تم نہ ٹھوکر مار کر زمین کا سینہ چاک کر سکتے ہو اور نہ ہی سر اٹھا کر پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو، یہ باتیں تمہارے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں، ان اُمور میں ہر ایک کام کا برا پہلو تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو تیرے رب نے تجھ پر وحی کی ہیں۔ (سورہ بنی اسرائیل ۱۵:۲۳-۳۸)

ان سولہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے لیے چودہ بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں۔

۱: اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا ۲:والدین کے ساتھ امکانی حد تک حسن سلوک کرنا ۳: رشتہ داروں، مسکینوں اورمسافروں کو ان کا حق دینا۔ ۴:فضول خرچی نہ کرنا ۵: اگر ان تینوں (رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں) کی مدد نہ کرسکتے ہوں تو اچھے انداز سے معذرت کرنا ۶: خرچ کرنے میں اعتدال و میانہ روی اختیار کرنا ۷: اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرنا ۸: زنا اور اس کے داعی (اسباب) سے دُور رہنا ۹: کسی انسانی جان کو ناحق قتل نہ کرنا ۱۰:یتیم کے مال کو بدنیتی سے استعمال نہ کرنا ۱۱: عہدو پیمان کی پابندی کرنا ۱۲: ناپ اور تول پورا کرنا ۱۳: جس چیز اور بات کا علم نہ ہو اس کی پیروی نہ کرنا ۱۴: اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا۔

ان اصولوں پر نظر ڈالی جائے تو پہلے اصول کے سوا تمام اصول خدمت خلق اور حقوق العباد کی ادائیگی سے متعلق ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کی دوسری آیات اور احادیث مبارکہ اور فقہاء کی تصریحات سے ان کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ ان ہی اصولوں کو اسلامی، فلاحی اور رفاہی ریاستوں نے اپنایا ہے اور ان کے مطابق قانون سازی ہوئی اور اس میں سے اکثر کو بذریعہ قانون، اقتدار اور قوت نافذ کیا گیا ہے۔

اللہ کی نعمتوں کا تقاضا

اس دنیا میں کچھ انسانوں کو بہت سی سہولتیں اور آسانیاں حاصل ہیں اور کچھ دوسرے انسان ان سے محروم ہیں۔ قرآن مجید پہلی قسم کے انسانوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ دوسری قسم کے انسانوں کی خدمت کریں، ان کو ہر طرح کی آسانیاں بہم پہنچائیں، ان کی زندگی خوشگوار بنانے میں مدد دیں اور اپنی سہولتوں اور نعمتوں میں سے کچھ حصہ ان کو دیں۔

جس شخص کو اللہ نے دیکھنے کے لیے دو آنکھیں، سننے کے لیے دوکان

، بولنے کے لیے زبان، دوڑ دھوپ کرنے اور محنت و مشقت کے لیے مضبوط دست وبازو، سوچنے سمجھنے کے لیے دل و دماغ اور زندگی کے لیے سامان حیات عطا کیا ہے، اس کا فرض ہے کہ جو شخص معذور ہے، جسے وسائل حیات میسر نہیں ہیں اور جو زندگی کی تگ و دو میں حصہ لینے کے قابل نہیں ہے،اس کو بے سہارا نہ چھوڑا جائے کہ وہ بھیک مانگنے یا خودکشی کرنے پر مجبور ہوجائے، بلکہ وہ اس کے زندہ رہنے کے لیے زندگی کا سازوسامان اوراس کے سکون و راحت کے اسباب مہیا کرے۔ اس لیے کہ انسان کو جو کچھ ملتا ہے اللہ کی طرف سے ملتا ہے۔ سو اس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ اس کا شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اور جو خدمت کے مستحق ہیں ان کی خدمت کی جائے۔ اللہ کی دی ہوئی ہر نعمت میں اس کے بندوں کا حق ہے، اس حق کو ادا کیے بغیر اس کا شکر ادا نہیں ہوسکتا۔ حضرت علیؓ کا فرمان ہے۔ خدمت خلق شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

اللہ کی نعمتوں کو پانے کے بعد اگر کسی شخص کے اندرخدمت خلق کا جذبہ نہ ابھرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دل ان نعمتوں کے احساس ہی سے خالی ہے۔ قرآن مجید نے اس بے حسی پر سخت گرفت کی ہے اوراس کے بُرے انجام سے آگاہ کیا ہے۔ سورۃ البلد میں ارشاد ہے:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ز وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝ (البلد۹۰: ۸—۲۰)

کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے اور اس کو (حق و باطل کی) دونوں راہیں نہیں دکھا دیں۔ لیکن اس نے گھاٹی عبور نہیں کی۔ تم جانتے ہو وہ گھاٹی کیا ہے؟ گردن کا چھڑانا (غلام آزاد کرانا) یا فقرو فاقہ کے دن قرابت والے یتیم یا بدحال مسکین کو کھانا کھلانا۔ پھر وہ ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے، جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور (انسانوں کے ساتھ) رحمت و شفقت کا سلوک کرنے کی تاکید کی۔ یہی لوگ ہیں جو (قیامت کے دن اللہ کے) دائیں جانب ہوں گے اور جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیاوہ بائیں جانب والے ہیں۔ ان پر چاروں طرف سے آگ بند ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر بے شمار احسانات کیے ہیں۔ان آیات میں ان میں سے بعض نمایاں احسانات کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آنکھ، کان اور دل دماغ کی بے نظیر قوتیں اس لیے عطا کی ہیں کہ اسے ایک دشوار گزار گھاٹی طے کرنی ہے۔ یہ آنکھ کی نعمت سے بے سہارا اور بے بس، مظلوموں، مقہوروں اور مصیبت میں مبتلا انسانوں کی حالت زار کیوں نہیں دیکھتا، ان کی ضرورتوں اور مسائل کو مناسب جگہ پر کیوں نہیں پہنچاتا اور اللہ کے دیے ہوئے دل و دماغ، عقل و حکمت اور دانش و دانائی سے ان کی خدمت کے منصوبے کیوں نہیں بناتا؟

اللہ تعالیٰ نے ان افراد میں سے تین لوگوں کی مثال دے کر سمجھایا کہ یہ ہیں کرنے کے کام ، غلاموں کو آزاد کرنا، یتیموں اور مسکینوں کی مدد کرنا۔ کسی

غلام کو آزاد کرنا بہت بڑی عبادت اور ایک انسان کی زندگی بنادینا ہے، اسی طرح بھوکے کو کھانا کھلانا بہت بڑا ثواب ہے اور کھانا کھلانا کسی کو بھی ہو ثواب سے خالی نہیں۔ مگر بعض کو کھلانا بہت بڑا ثواب بن جاتا ہے۔ (معارف القرآن۔ جلد۸، ص ۷۸۲) فرمایا کہ یہ کام اتنے آسان نہیں ہیں بلکہ پہاڑ کی ایک گھاٹی عبور کرنے جیسے سخت اور مشقت و محنت والے ہیں لیکن یہ ہیں کرنے کے کام۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ کام کرنے والا ان ایمان والوں میں شامل ہوجائے جو عملاً اس گھاٹی کو طے کررہے ہیں، جن کی زندگیاں اللہ کی راہ میں صبر و استقامت کا ثبوت پیش کر رہی ہیں اور جو اس کی نصیحت و تلقین کر رہے ہیں، جن کا رویہ مظلوموں ، محکوموں ،بھوکوں اور پیاسوں کے ساتھ محبت اور ہمدردی کا ہے اور جو دوسروں کو اس ہمدردی و شفقت کی تلقین و تبلیغ کرتے ہیں، یہ راستہ جنت کا ہے۔ اس کی مخالفت کرنے والے جہنم کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ وہ اسی میں پہنچیں گے پھر اس کے دروازے اس طرح بند کردیے جائیں گے کہ اس سے کبھی نہ نکل سکیں گے۔ خدمت خلق کے کاموں کے سلسلے میں بعض قرآنی تعلیمات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱: کھانا کھلانا

نزول قرآن کے وقت عام لوگوں کی جو بڑی ضرورتیں اور حاجتیں تھیں ان میں ایک اہم ضرورت کھانے کا حصول تھا۔ غریبوں، مسکینوں اوریتیموں کی سب سے اوّلین ضرورت پیٹ بھرنا اور تن و روح کا رشتہ برقرار رکھنا تھا، اسی طرح مسافروں ، تاجروں، سیاحوں، طالب علموں اور گھر سے دُور لوگوں کی نمایاں ضرورت کھانے کا حصول تھا۔

دین اسلام نے اس ضرورت کو مختلف طریقوں سے پورا کیا۔ قرآن

مجید میں طعم اور طعام کے مصدر سے ۴۸ الفاظ آئے ہیں۔ ان میں سے ایک تہائی یعنی ۱۶ الفاظ کھانا کھلانے کی تاکید اور فضیلت کے بارے میں یا کسی دوسرے صاحب حیثیت کو کھانا کھلانے کی ترغیب و تحریص دلانے کے بارے میں ہیں۔ چنانچہ بعض صورتوں میں مسکینوں کو کھانا کھلانا لازم کیا گیا ہے۔ بعض احکام میں فرض قرار دیا گیا جیسے صدقات واجبہ مثلاً زکوۃ، کفارات، نذریں، حج کے فدیے وغیرہ اور بعض صدقات نافلہ ہیں جو ایک بہت ہی وسیع باب ہے۔ اطعام طعام کی عمومی ترغیب دے کر اسے رواج دیا گیا۔ نیز آخرت میں اس کا بہت بڑا اجر و ثواب بتایا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوْا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ (الحج ۲۲:۲۸) ”خود بھی کھائیں اور تنگ دست محتاج کو بھی دیں“۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (الحج ۲۲:۳۶)

اور جب (قربانی کے بعد) ان کی پیٹھیں زمین پر ٹک جائیں تو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور ان کو بھی کھلاؤ جو قناعت کیے بیٹھے ہیں اور ان کو بھی جو اپنی حاجت پیش کریں، ان جانوروں کو ہم نے اس طرح تمہارے لیے مسخر کیا ہے تاکہ تم شکر گزار بنو۔

مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلانے کا عظیم اجر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَانُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَاشُكُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝

(الدھر ۷۶: ۸-۱۱)

اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے
ہیں اوران سے کہتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر
کھلارہے ہیں ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ
ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا خوف لاحق
ہے جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ
انہیں اس دن کے شر سے بچالے گا اورانہیں تازگی اور سرور
بخشے گا۔

اس آیت میں آمدہ اسیر سے مراد ہر وہ شخص ہے جو قید میں ہو۔ ایسے شخص کو کھانا کھلانا بڑی نیکی کا کام ہے۔ (تفہیم القرآن) قیدی عام ہے مسلم ہو یا کافر، حدیث میں ہے کہ "بدر" کے قیدیوں کے متعلق حضورؐ نے حکم دیا کہ جس مسلمان کے پاس کوئی قیدی رہے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ چنانچہ صحابہ اس حکم کی تعمیل میں قیدیوں کو اپنے سے بہتر کھانا کھلاتے تھے حالانکہ وہ قیدی مسلمان نہ تھے۔ مسلمان بھائی کا حق تو اس سے بھی زیادہ ہے اوراگر لفظ "اسیر" میں ذرا توسع کرلیا جائے تب تو یہ آیت غلام اور مدیون کو بھی شامل ہوسکتی ہے کہ وہ بھی ایک طرح سے قید میں ہیں۔ (تفسیر عثمانی ۔ سورۃ الدھر)

قدیم زمانے میں دستور یہ تھا کہ قیدیوں کو ہتھکڑی اور بیڑیاں لگا کر روزانہ باہر نکالا جاتا تھا اور وہ سڑکوں پر یا محلوں میں بھیک مانگتے پھرتے تھے اور اپنا پیٹ بھرتے تھے۔ بعد میں اسلامی حکومت نے یہ طریقہ بند کردیا۔
(کتاب الخراج ، امام ابویوسفؒ)

۲: کھانا کھلانے کی ترغیب

قرآن مجید نے جہاں بھوکوں کو کھانا کھلانے کی اہمیت، فضیلت،

ضرورت اوراس کا اجروثواب بیان کیا وہاں ایسے لوگوں کو جو کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتے انہیں اس کارِخیر میں دوسروں کو ترغیب دے کر، اس کام کے لیے آمادہ کرنے کا عمل بتایا اور اسے مومن کی صفات میں شمار کیا۔ چنانچہ اس کام کی اہمیت دکھانے کے لیے اس عمل کو ایمان کا تقاضا اور دین و اخلاق فاضلہ کا جز بتایا، اور اسے انجام نہ دینے والے کو آخرت میں سخت عذاب کی وعید سنائی اور دوزخ کا حقدار بتایا۔ ارشاد باری ہے:

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ○ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ

(الحاقة ٦٩: ٣٣، ٣٤)

یہ نہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لاتا تھا اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔

یعنی خود کسی غریب کو کھانا کھلانا تو درکنار کسی سے یہ کہنا بھی پسند نہ کرتا تھا کہ اللہ کے بھوکے بندوں کو روٹی دے دو۔ (تفہیم القرآن) یعنی جس طرح ایمان لانا انبیاء کی تعلیم کے مطابق ضروری تھا وہ ایمان نہیں رکھتا تھا اور خود تو کسی کو کیا دیتا دوسرے لوگوں کو بھی غریب آدمی کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا۔ حاصل یہ کہ خدا کی عظمت اور مخلوق پر شفقت جو اصل عبادات متعلقہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ہیں یہ دونوں کا تارک اور منکر تھا اس لیے عذاب کا مستحق ہوا۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ ج ۸)

اسی طرح سورۃ الماعون میں فرمایا:

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ○ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ○ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ○ (الماعون ١٠٧: ١-٣)

تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے۔ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا

دینے پر نہیں اکساتا۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دین اور دینداری سے شفقت علی الخلق اور خاص طور پر یتیموں کے ساتھ شفقت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اگر دین نہ ہو تو سخت دلی اورخودغرضی پیدا ہوجاتی ہے۔ ایسا آدمی کمزوروں اور مسکینوں پر ظلم کرتا ہے، ان سے بے رخی برتتا ہے اور بے مروت اور سنگ دل بن جاتا ہے۔

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝

(الفجر ۸۹: ۱۷-۲۰)

ہر گز نہیں بلکہ تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے، اورمسکینوں کو کھانا کھانے پر ایک دوسرے کو نہیں اکساتے، اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو۔

اس آیت کریمہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ غرباء و مساکین کا حق جیسے اغنیاء اور مالداروں پر تو ہے ہی کہ وہ ان کو اپنے پاس سے دیں، اسی طرح جو لوگ خود دینے کی قدرت و طاقت نہیں رکھتے ان کو بھی اتنا تو کرنا چاہیے کہ دوسروں کو ہی اس کے لیے ترغیب دیں۔ (معارف القرآن: مفتی محمد شفیع جلد۸، ص ۷۴۴) یعنی کسی کے یتیم ہوتے ہی ہمسائے اور دور کے رشتہ دار تو درکنار چچا اور ماموں اور بڑے بھائی تک اس سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں اسی روش کی بنا پر معاشرے میں غریبوں کو کھانا کھلانے کا نہ کوئی چلن ہے اور نہ کوئی ذکر و فکر ہے۔

۳: لباس کا بندوبست کرنا

ہر دور میں انسان کی دوسری اہم ضرورت لباس رہا ہے۔ حضرت آدم

علیہ السلام کے قصے میں مختلف پیرایوں سے لباس کا تذکرہ ہے۔ لباس انسان کی اخلاقی، معاشرتی اور معاشی ضرورت ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں چند اصولی باتیں بتائیں۔ پھر اس کی تفصیل احادیث مبارکہ اور فقہاء کی تصریحات میں بیان ہوئی ہے۔ لباس کے بارے میں چند آیات بیان کرتے ہیں۔

الف: نادان اور بے سمجھ افراد کے وارثوں کو چاہیے کہ ان کے مال ان کے حوالہ نہ کریں بلکہ ان میں سے ان کے کھانے اور لباس کا بندوبست کریں۔

ارشاد ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ○ (النساء۴:۵)

اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے قیام زندگی کا ذریعہ بنایا ہے نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو، البتہ انہیں کھانے اور پہننے کے لیے دو اور انہیں نیک ہدایت کرو۔

ب: قسم توڑنے کے کفارے میں دس مسکینوں کو لباس پہنانا ایک جز ہے۔

ارشاد ہے:

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ط (المائدة ۸۹:۳—۵)

ایسی قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجہ کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑا پہناؤ یا ایک غلام آزاد کرو۔

کسی عریاں کو لباس پہنا کر اس کا جسم ڈھانپنا اور کسی ضرورتمند کو کپڑا پہنانا بڑی ہی نیکی اور اجر کا باعث ہے۔ ہمارے معاشرے میں کتنے ہی کپڑے بیکار پڑے رہتے ہیں۔ انہیں حاجتمندوں کو دیا جائے اور ایسے علاقوں میں بھیجا

جائے جہاں ستر پوشی کی ضرورت ہے، تو یہ انسان کی خدمت ہے اور دینے والوں کے لیے ثواب کاباعث ہے۔

۴: غلاموں اور لونڈیوں کا لحاظ کرنا

قدیم زمانے سے لے کر اس دور تک انسانیت کا ایک گھمبیر مسئلہ انسانوں کی غلامی رہا ہے۔ دنیا کے ہر خطے میں اس کا وجود پایا گیا ہے۔ پھر جتنے مصائب و مظالم غلاموں اور لونڈیوں پر روا رکھے گئے۔ جتنی زیادتیاں اور بے انصافیاں ان کے ساتھ ہوئیں اور جتنی حق تلفیاں، پامالیاں ان کی ہوئیں اور ان کو ذلیل و خوار کیاگیا اور جانوروں جیسا سلوک ان سے کیاگیا وہ تاریخ کا ایک بھیانک اورسیاہ باب ہے، اس کے بیان کا یہاں موقع نہیں ہے۔

اسلام نے روزِ اول سے غلامی کو بتدریج ختم کرنے کی مسلسل کوشش کی اورکافی حد تک ختم بھی کردیا۔ تاہم جب تک یہ ختم ہوا اس وقت تک اس مظلوم ومقہور طبقے سے جو شفقت برتی، جتنی رعایت و لحاظ اس کا کیا اور جتنے حقوق و مراعات اسے دیں اورحسن سلوک کی تاکید کی وہ اسلام کی خوبیوں کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ یہاں مختصر طور پر قرآن مجید میں غلاموں کے بارے میں آمدہ چند باتیں پیش کی جارہی ہیں۔اس سے ان کے ساتھ رحمت و شفقت کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

الف: غلام آزاد کرنا

اللہ تعالیٰ نے غلاموں کو آزادی دلانے کے لیے مسلمانوں کے لیے کئی طریقے تجویز کیے۔ ان میں سے ایک طریقہ کفارے (کسی گناہ کو مٹانے) کے طور پر غلام آزاد کرنا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (النساء ۴:۹۲)

جس شخص نے کسی مومن (مرد یا عورت) کو خطا سے قتل
کردیا تو ایک مومن گردن (مرد و عورت) آزاد کرے۔

قرآن مجید نے قتل خطا کی تین صورتیں بتائی ہیں: ایک مقتول اور اسلامی ریاست کا باشندہ ہو، دوم وہ دارالکفر کا ہو، سوم کسی معاہد ریاست کا شہری ہو۔ ہر حالت میں ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔ اس طرح قسم توڑنے پر غلام آزاد کرنا۔ اور ظہار سے رجوع کرنے پر غلام آزاد کرنا، یہ صورتیں کفارے کی تھیں جو کسی حد تک لازمی ہیں۔ پھر زکوٰۃ کی مدات میں سے غلاموں کی آزادی کے لیے زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا ایک اہم مد قرار دی گئی ہے۔ نیز قرآن مجید نے نفلی خیرات اور صدقات کے طور پر غلام آزاد کرنے کی ترغیب دی ہے اوراسے دنیا و آخرت کی بڑی بھلائی قرار دیا ہے۔ اس کا تذکرہ سورۃ البلد کی آیات میں گزر چکا ہے۔ پھر احادیث مبارکہ سے روزہ توڑنے کا کفارہ غلام آزاد کرنا ثابت ہے۔

ب: غلاموں اور لونڈیوں کی شادی کرانا

اللہ نے ارشاد فرمایا:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ (النور ۲۴:۳۲)

تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی و غلام جو صالح ہوں ان کے نکاح کردو۔ اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کردے گا۔ اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے۔

اس میں مسلمانوں کو ترغیب دی گئی کہ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کی

شادیاں کرائیں اوران کی فطری ضروریات کو پورا کریں۔ ان سے ان کی معاشرتی، اخلاقی اورروحانی اصلاح ہوگی۔ ان میں ذمہ داری کا احساس بڑھے گا اوراچھے شہری بنیں گے۔ غلاموں اور لونڈیوں کی شادی کرنا اورکرانا ان کی آزادی کی طرف ایک بنیادی قدم ہے۔ ایک لونڈی اگر ایک آزاد مرد سے شادی کرے گی تو اس کی اولاد خود بخود آزاد ہوجائے گی۔ نیز اگر یہ اپنے آقا کی بیوی بنے گی اور اس سے اولاد ہو گی تو یہ خود بخود ام الولد بن جائے گی جو آزادی کے قریب کا ایک درجہ ہے۔

ج:مکاتبت کرنا

مسلمانوں کو ان کی آزادی کے لیے اس بات پر ترغیب دی کہ وہ اپنی آزادی کے لیے باہمی طے شدہ رقم دیں تو ان سے مکاتبت کرو اور انہیں آزاد کردو۔ ارشاد فرمایا :

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ (النور ۲۴:۳۳)

اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کی درخواست کریں ان سے مکاتبت کر لو اگر تمہیں معلوم ہو کہ ان کے اندر بھلائی ہے اور ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔

جب وہ اپنی آزادی کا مطالبہ کریں اور تمہیں کم و بیش تمہاری رقم بھی ادا کریں تو ان سے لکھ پڑھ کرکے ان کی آزادی کا معاہدہ کرلیں۔ نیز مسلمانوں کو ترغیب دی کہ انہیں اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے کچھ دے کر ان کو آزادی دلانے میں تعاون کریں اور امداد کا حصہ ڈالیں۔

د:نکاح میں مومن غلام اور لونڈی کو قبول کرلینا

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو ترغیب دی کہ نکاح کے لیے رشتہ تلاش کرنے اور نکاح کرنے میں نیک اور صالح غلام اور لونڈی کو آزاد مشرکہ اور کتابیہ کے مقابلہ میں اختیار کرلیں اور مشرک مرد اور مشرک عورت سے نکاح نہ کریں۔ غلاموں اور لونڈیوں پر اس سے بڑی شفقت اور مہربانی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے کوئی آزاد گھرانہ اپنا داماد بنا کے اور کوئی شریف گھرانہ لونڈی کو اپنی بہو بنا کر گھر لے آئے۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم

ھ : غلاموں کا احترام

اسلام نے غلاموں کا احترام کرنے ، ان کے نام سے یا اچھے لقب سے پکارنے اور ان کے باپوں کی طرف نسبت کرنے کی تعلیم دی۔ ارشاد باری ہے:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ج فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ط (الاحزاب ۳۳:۵)

(منہ بولے بیٹوں کو) ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے اور اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔

یہ آیت اگرچہ لے پالک بیٹوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اشارتاً غلاموں کے احترام و توقیر کی بات بھی نکلتی ہے۔ پھر مزید تائید نبی اکرم ﷺ کی ہدایت سے ہوئی " کوئی آقا اپنے غلام کو عَبْدِی (میرا بندہ) نہ کہے بلکہ فتای (میرا جوان) کہے۔" اسی طرح غلاموں کو ممانعت کردی کہ" وہ اپنے آقاؤں کو رب نہ کہیں۔" (صحیح بخاری، کتاب العتق)

و: ناجائز کام نہ لینا

غلاموں اور لونڈیوں کے بارے میں قرآن مجید کی ایک تعلیم یہ ہے کہ

ان سے ناجائز، حرام اور اللہ اوراس کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہ لیا جائے۔ ارشاد باری ہے:

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(النور ۲۴:۳۳)

اور اپنی لونڈیوں کو اپنے دنیوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ خود پاکدامن رہنا چاہتی ہوں اور جو کوئی ان کو مجبور کرے تو اس جبر کے بعد اللہ ان کے لیے غفور و رحیم ہے۔

یہ وہ اعلیٰ حقوق ہیں جو اسلام نے ان کو دیے اور اسی وجہ سے آپؐ کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہنے والوں میں غلام اور لونڈیاں تھیں اور ابتدائی دور میں سب سے زیادہ تکلیف سہنے والوں میں غلام اور لونڈیاں ہی تھیں۔ نیز اس کی راہ میں اوّلین شہیدوں میں شمار ہونے والی یہی ہستیاں تھیں۔ ان میں حضرت زیدؓ اور حضرت سمیہؓ غلام شہداء کے گل سرسبز ہیں۔

اسلام کی آمد کے وقت غلام تین قسم کے تھے۔ ایک جنگی قیدی۔ دوسرے آزاد آدمی جن کو پکڑ کر غلام بنایا اور بیچ ڈالا جاتا تھا۔ تیسرے وہ جو نسلوں سے غلام چلے آتے تھے۔ آپؐ کی بعثت کے وقت عرب اور بیرون عرب دنیا بھر کا معاشرہ ان تمام اقسام کے غلاموں سے بھرا ہوا تھا اور سارا معاشی و معاشرتی نظام مزدوروں اور نوکروں سے زیادہ ان غلاموں کے سہارے چل رہا تھا۔ اسلام کے سامنے پہلے سوال یہ تھا کہ یہ غلام جو پہلے سے چلے آرہے ہیں ان کا کیا کیا جائے؟ دوسرا سوال یہ تھا کہ آئندہ کے لیے غلامی کے مسئلے کا کیا

حل ہے؟ پہلے سوال کے جواب میں اسلام نے یہ نہیں کیا کہ یکلخت قدیم زمانے کے تمام غلاموں سے لوگوں کے حقوق ملکیت ساقط کردے، کیونکہ اس سے نہ صرف یہ کہ پورا معاشرتی و معاشی نظام مفلوج ہوجاتا بلکہ پورا عرب خانہ جنگی میں مبتلا ہو جاتا اورا سلامی تحریک خانہ جنگی کی نذر ہو جاتی، لہٰذا اسلام نے ''فك رقبة'' کی ایک زبردست اخلاقی تحریک شروع کی اور تلقین و ترغیب اور مذہب یا احکام و ملکی قوانین کے ذریعے سے لوگوں کو اس بات پر ابھارا کہ یا تو آخرت کی نجات کے لیے طوعاً غلاموں کو آزاد کریں یا اپنی غلطیوں کے کفارے ادا کرنے کے لیے مذہبی احکام کے تحت انہیں آزاد کریں، یا مالی معاوضہ لے کر ان کو چھوڑ دیں۔ اس تحریک کے نتیجے میں جہاں تک سابق دور کے غلاموں کا تعلق ہے وہ خلفائے راشدین کا زمانہ ختم ہونے سے پہلے ہی تقریباً سب کے سب رہا ہوچکے تھے۔ (اس مسئلے پر مزید روشنی کفارات کی بحث میں ڈالی گئی ہے)

اب رہ گیا آئندہ کا مسئلہ اس کے لیے اسلام نے غلامی کی اس شکل کو قطعاً حرام کردیا اور قانوناً مسدود کردیا کہ کسی آزاد آدمی کو پکڑ کر غلام بنایا اور بیچا اور خریدا جائے۔ البتہ جنگی قیدیوں کو صرف اس صورت میں غلام بناکر رکھنے کی اجازت (حکم نہیں بلکہ اجازت) دی جبکہ ان کی حکومت ہمارے جنگی قیدیوں سے ان کا تبادلہ کرنے پر راضی نہ ہو اور وہ خود بھی اپنا فدیہ ادا نہ کریں۔ پھر ان غلاموں کے لیے ایک طرف اس امر کا موقع کھلا رکھا گیا کہ وہ اپنے مالکوں سے مکاتبت کرکے رہائی حاصل کرلیں اور دوسری طرف وہ تمام ہدایات ان کی رہائی کے حق میں بھی موجود رہیں جو قدیم غلاموں کے بارے میں تھیں۔ یہ وہ حل ہے جو اسلام نے غلامی کے مسئلے کا کیا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳، ص۴۰۲)

۵: یتیموں پر شفقت و رحمت

نزول قرآن کے وقت جو طبقات ظلم و مصیبت میں مبتلا تھے اور کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزارتے تھے ان میں ایک طبقہ یتیموں کا تھا۔ یتیموں کے ساتھ ظلم وزیادتیوں کی تفصیل تاریخ و سیرت کی کتب میں ملتی ہے۔ ان کی کوئی توقیر واحترام نہیں تھا۔ انہیں میراث میں حصہ نہیں دیا جاتا۔ ان کی تعلیم و تربیت کا بندوبست نہیں تھا۔ غرضیکہ ہر لحاظ سے مظلوم و مجبور تھے۔

قرآن مجید نے والدین اور قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی کے بعد جس طبقے کا تذکرہ کیا وہ یتیم ہیں۔ کتاب اللہ میں یتیم اور یتامیٰ کا کلمہ ۲۳ مرتبہ ۲۲ آیتوں اور ۱۳ سورتوں میں آیا۔

جس معصوم بچے کے سر سے اس کے باپ کا سایہ اٹھ جائے وہ اس خلوص، محبت اورتوجہ سے محروم ہو جاتا ہے تو اس کی پرورش ، تعلیم وتربیت اور معاشی استحکام کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہے۔ اس لیے افراد ، معاشرے اور حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس کی ضروریات پوری کرے اور اسے باپ سے محروم ہونے کا احساس نہ ہونے دے، اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ یتیموں کے حقوق کی حفاظت کے لیے انتظامی اور قانونی دونوں طرح کی تدابیر اختیار کرے۔ ایسی قانون سازی کے لیے نبی ﷺ کا یہ ارشاد بنیادی اصول ہے، آپؐ نے فرمایا: فانا ولی من لاولی لہٗ (میں اس شخص کا سرپرست ہوں جس کا کوئی سرپرست نہ ہو)۔ یتیم کے بارے میں اس معاشرے کی غفلت سے یہی نہیں کہ اس کی صحیح نشوونما نہیں ہوگی اور وہ نہ صرف جسمانی لحاظ سے کمزور ہوگا بلکہ اس کی صحیح ذہنی و فکری تربیت بھی نہیں ہوسکے گی۔ ہوسکتا ہے کہ ایسے سنگ دل اور بے رحم معاشرے کے خلاف اس کے اندر بغاوت پرورش پانے لگے اور وہ ایک

اچھا شہری بننے کے بجائے پورے معاشرے کے لیے نقصان دہ بن جائے۔

قرآن مجید کی ان ۲۲ آیتوں میں یتیم کی نگہداشت ، پرورش، تعلیم و تربیت اوراس کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے جو تعلیم دی گئی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

الف: یتیم کے ساتھ عزت و شفقت کا سلوک

ان کے ہر معاملے میں دوسرے طبقات سے بڑھ کر حسن سلوک کا برتاؤ ہونا چاہیے۔ قرآن مجید نے یتیم پر رحمت اور حسن سلوک کا تذکرہ اللہ کی عبادت کے حکم کے بعد انسان کے والدین اور قرابت داروں کے بعد تیسرے نمبر پر کیا ہے۔ (ملاحظہ کریں: البقرۃ: ۲:۸۳۔ النساء ۴:۳۶)

ب: یتیم کے مال کی اصلاح

ان کے مال کی اصلاح ، بہتری اور حفاظت کا خیال کرنا چاہیے۔ان کے رشتہ داروں، سرپرستوں اور ان کے مال کے نگرانوں کو چاہیے کہ ان کے سرمایہ کو ضائع نہ ہونے دے۔ (دیکھیے البقرۃ ۲:۲۲۰۔ النساء ۴:۳۔ الانعام ۶:۱۵۲)

ج: یتیم کی مالی معاونت

مومن کو چاہیے کہ جب انفاق کرے ، صدقہ و خیرات کرے تو جن افراد و طبقات پر خرچ کرے ان میں یتیموں کو بھی شامل کرے۔ اگر یتیم صدقۂ واجبہ کا مستحق ہے تو اسے دے اور اگر ان کا مستحق نہیں ہے تو صدقات نافلہ میں اسے ضرور پیش نظر رکھے ۔(البقرۃ ۲:۱۷۷، ۲۱۵، الانفال ۸:۴۱، الحشر ۵۹:۷)

د: یتیموں کا مال ان کے حوالہ کرنا

جب یتیم بالغ ہوجائے اور سن شعور کو پہنچے اور اپنا مال سنبھالنے جیسا ہو جائے تو بے کم و کاست پورے کا پورا مال اس کے حوالہ کردینا چاہیے۔ (النساء ۴:۲)

ھ: یتیم لڑکیوں سے نکاح

یتیم لڑکیوں سے ان پر شفقت اور رحم کھاتے ہوئے نکاح کرنا اجرو ثواب کا باعث ہے لیکن ان کی ملکیت، دولت اور مال کو پیش نظر رکھ کر نکاح کرنا اور ولیوں کا لڑکیوں کو اس نیت سے اپنے گھر میں رکھنا اسلام کی نظر میں ناپسندیدہ اور برا ہے۔ (النساء ۴:۳، ۱۲۷)

و: یتیم کو کھانا کھلانا

قرآن مجید نے جن لوگوں کو فیاضی، سخاوت سے کھانا کھلانے کی ترغیب دی ہے، اس میں یتیم شامل ہے۔ لہٰذا یتیم کو کھانا کھلانے کا بڑا اجروثواب ہے اور بڑی بھلائی ہے۔ (ملاحظہ کریں الدھر ۷۶:۸، النساء۴:۸، البلد۹:۱۵)

ز: یتیم سے انصاف کرنا

مسلمان کو ہر موقع و محل اور ہر معاملے میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے۔ تاہم بے سہارا یتیم کے انصاف پر خصوصی توجہ دینی چاہیے اور اس کے سرپرستوں کو اس بات کی خاص تاکید کی گئی ہے:

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ (النساء ۴:۱۲۷)

اور یہ کہ یتیموں کے لیے انصاف پر قائم رہو۔

ح: مال غنیمت میں یتامیٰ کا حصہ

مال غنیمت جو جہاد کے نتیجے میں مسلمانوں کو حاصل ہوتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس میں یتیموں کا خصوصی حصہ رکھا ہے۔ (ملاحظہ کریں الانفال ۸:۴۱، الحشر ۵۹:۸)

ط: یتیم دروازے پر آئے تو نرمی کرنا

یتیم کسی کے دروازے پر سائل بن کر آئے یا کسی ضرورت کے لیے

حاضر ہو تو اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو کرنا، بات چیت میں سختی نہ کرنا اور ڈانٹ ڈپٹ ہرگز نہ کرنا بلکہ کچھ کھلا پلا کر روانہ کرنا۔ خاص طور پر میراث کی تقسیم کے موقع پر حاضر ہو تو اسے کھانا کھلانا چاہیے اور نرمی سے سمجھا بجھا کر روانہ کرنا چاہیے۔ (دیکھیے الضحٰی ۹:۹۳، الماعون ۲:۱۰۷)

ی: یتیم کا مال کھانا بڑا گناہ ہے

یتیم کا مال کھا جانا، اس کے اچھے مال کو اپنے خراب مال سے تبدیل کر دینا، اس کے مال کو تلف کرنا، اس کے بالغ ہونے سے پہلے اسے ختم کر دینا وغیرہ بڑا گناہ ہے اللہ تعالٰی نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا (النساء ۱۰:۴)

جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کے مال کھاتے ہیں درحقیقت وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔

(نیز ملاحظہ کریں الاسراء ۳۴:۱۷۔ النساء ۲:۴)

ک: یتیم کو تعلیم دینا اور اس کی آزمائش لینا

یتیم کا ولی اس کی تعلیم و تربیت کرے اور اسے معاملات کی تعلیم دے اس دوران وہ ولی اس کے مال سے بقدر ضرورت و حاجت اپنی محنت کا اجر لے لے، پھر اس کے بالغ ہونے پر اسے آزما کر دیکھے کہ وہ مال سنبھالنے کا اہل ہے تو اس کا مال اس کے حوالے کردے اور اس پر گواہ بنالے۔ ملاحظہ کریں النساء ۶:۴

ل: اگر اپنے بچے یتیم ہوں

یتیموں کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے آدمی اپنے دل کو ٹٹولے اور تھوڑا

سا تصور کرے کہ میں فوت یا بے بس ہوجاؤں اور میرے بچوں کا یہ حال ہو تو ان کا کیا بنے گا اور ان کے بارے میں کیا ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں انسانی نفسیات کو اپیل کرنے والی ایک آیت ملاحظہ کریں ۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ○ (النساء ۹۴)

لوگوں کو اس بات کا خیال کرکے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑتے تو مرتے وقت انہیں اپنے بچوں کے حق میں کچھ اندیشے لاحق ہوتے۔ پس چاہیے کہ اللہ کا خوف کریں اور راستی کی بات کریں۔

مسلمان اس آیت کے مفہوم کو سامنے رکھ کر یتیم بچوں کے بارے میں انصاف کی بات کریں، ان کے ساتھ اچھا رویہ رکھیں۔

۶:معذوروں کی خدمت

دنیا میں ایک طبقہ جو ہمدردیوں اور رعایتوں کا مستحق ہے۔ وہ بیماروں، معذوروں اور کمزوروں کا ہے۔ یہ لوگ اپنی کمزوری، معذوری اور بے بسی کی وجہ سے اپنے بہت سے کام کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔ سو ہمدردی کے لائق ان انسانوں کی دیکھ بھال، خبرگیری، خدمت اوررعایت انسان کا فرض ہے۔

قرآن مجید کے مطالعے سے معذورین کے طبقے میں بیمار، نابینا، لولے لنگڑے ، عمررسیدہ افراد ، کمزور بچے اور بے بس عورتیں شامل ہیں۔ اللہ تبارک و تعالٰی نے اپنے احکام و عبادات میں ان کے ساتھ کافی رعایت برتی ہے۔ اس رعایت اور سہولت کا مختصر سا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

الف:عبادات کے معانی

کچھ بنیادی عبادتیں معذورین سے ان کے عذر کی وجہ سے ساقط کردی

گئی ہیں۔ جیسے جہاد جیسے عظیم فریضہ اور اہم عبادات میں شرکت سے ان کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ ○ (التوبة ۹:۹۱—۹۲)

ضعیف اور بیمار لوگ اور وہ لوگ جو شرکت جہاد کے لیے راہ نہیں پاتے، اگر پیچھے رہ جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ جبکہ وہ خلوص دل کے ساتھ اللہ اوراس کے رسول کے وفادار ہوں ۔ایسے محسنین پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں پر بھی اعتراض کا کوئی موقع نہیں ہے۔ جنہوں نے خود آ کر آپؐ سے خواہش کی تھی کہ ہمارے لیے سواریاں بہم پہنچائیں اور جب آپؐ نے کہا کہ میں تمہارے لیے سواریوں کا انتظام نہیں کرسکتا تو وہ مجبوراً واپس ہوگئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور قدرتاً اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریک جہاد ہونے کی قدرت نہیں رکھتے۔

لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔ استطاعت مالی، جسمانی اور سفری ہونا ضروری ہے اگر کسی شخص کو ان میں سے کوئی استطاعت نہیں ہے۔ تو اس پر حج فرض نہیں ہوگا ۔

اس طرح حج جیسی عبادت کے بارے میں فرمایا ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (آل عمران۳:۹۷)

اس معافی نماز میں جمعہ نماز اور باجماعت نماز وغیرہ شامل ہیں۔

ب:عبادت میں تخفیف

اللہ تعالیٰ نے بعض احکام اور عبادات میں عذر کی وجہ سے تخفیف کردی ہے۔ جیسے معذوروں کی نماز کے لیے وضو ساقط کردیا اوراس کی جگہ تیمم کا حکم دے دیا جو بہت ہی ہلکا عمل ہے ارشاد باریِ تعالیٰ ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (المائدة۵:۶)

اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کرکے آئے یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو، بس اس پر ہاتھ مار کر اپنے منہ اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو۔ اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا مگر وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردے شاید کہ تم شکر گزار ہو۔

اسی طرح حج کے بعض احکام میں عذر کا لحاظ رکھا گیا اور ان میں تخفیف کردی گئی ''پس جو شخص تم میں سے بیمار ہے یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہے تو وہ روزوں میں سے فدیہ دے، یا صدقہ دے یا قربانی کرے''، (البقرة ۲: ۱۹۶) نیز عذر کی حالت میں روزہ دار کو روزہ توڑنے کی اجازت دی گئی۔

ج: بعض احکام کو موخر کرنا

اللہ تعالیٰ نے بعض احکام وقتی طور پر معذورین سے مؤخر کردیے اور فرمایا کہ جب تندرست ہوجاؤ اورعذر دور ہوجائے تو ادا کرلینا جیسے روزے کا حکم بیماروں اور مسافروں سے مؤخر کردیا گیا۔ (البقرۃ ۲: ۱۸۴-۱۸۵) اس نوع کی اور بھی متعدد رعایتیں ہیں۔

د: بھاری ذمہ داریوں سے مستثنیٰ کرنا

ایسے لوگ جو خدمت دین کے لیے بے تاب ہوں اور کسی حقیقی مجبوری کے سبب سے عملاً خدمت نہ کرسکیں اور اس محرومی پر ان کے دل کو اتنا ہی صدمہ ہوجتنا کسی دنیا پرست کو روزگار چھوٹ جانے یا کسی بڑے نفع کے موقع سے محروم رہ جانے کا ہوا کرتا ہے، ان کا شمار اللہ کے ہاں خدمت انجام دینے والوں ہی میں ہوگا اگرچہ انہوں نے عملاً کوئی خدمت انجام نہ دی ہو اس لیے کہ وہ چاہے ہاتھ پاؤں سے کام نہ کرسکے ہوں لیکن دل سے تو وہ برسر خدمت ہی رہے ہیں۔ یہی بات ہے جو غزوۂ تبوک سے واپسی پر سفر کے دوران نبیؐ نے اپنے رفقاء کو خطاب کرتے ہوئے فرمائی تھی:

اِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ اَقْوَامًا مَاسِرْتُمْ وَلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا اِلَّا كَانُوْا مَعَكُمْ O

مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم نے کوئی وادی طے نہیں کی اور کوئی کوچ نہیں کیا جس میں وہ تمہارے ساتھ نہ رہے ہوں۔ صحابہؓ نے تعجب سے کہا " کیا مدینے میں رہتے ہوئے؟"

فرمایا: " ہاں مدینے ہی میں رہتے ہوئے کیوں کہ مجبوریوں نے انہیں روک لیا تھا ورنہ وہ خود رکنے والے نہ تھے۔" (تفسیر عثمانی)

اس آیت پر غور کرتے ہوئے اصحاب النبیؐ کے عشق الٰہی، صداقت و شوق شہادت و اخلاص پر غور کیجئے۔ نبی ﷺ کی صحبت نے صحابہؓ کے دلوں میں عشق الٰہی کا وہ نشہ پیدا کیا تھا جس کی مثال کسی قوم و ملت کی تاریخ میں موجود نہیں۔

مستطیع و مقدار والے صحابہ کو دیکھو تو جان و مال سب کچھ اللہ کے راستے میں لٹانے کو تیار ہیں اور سخت سے سخت قربانی کے وقت بڑے ولولہ اوراشتیاق سے آگے بڑھتے ہیں جن کو مقدار نہیں کہ وہ اس غم میں رو روکر جان کھوئے لیتے ہیں کہ تم میں اتنی استطاعت کیوں نہ ہوئی کہ اس محبوب حقیقی کی راہ میں قربان ہونے کے لیے اپنے کو پیش کرسکتے۔

ھ: کھانے کا بندوبست

معذور اگر فقیر اور حاجتمند ہے تو فقیر اور مسکین کے زمرے میں ہونے کی وجہ سے کھانے کا حق دار ہے لہٰذا اسے دوسرے حاجتمندوں پر عذر کی بنا پر ترجیح دی جائے گی لیکن فقیر یا مسکین نہیں ہے تو بھی اپنے عذر کی بنا پر کسی قدر کھانے کا مستحق ہے۔ نابینا، اپاج اور دیگر اعذار کی وجہ سے ان کے لیے اپنے کھانے کا بندوبست کرنا مشکل ہے۔ لہٰذا قرآ ن مجید نے مسلمانوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دی اور ان کو کھانا کھانے کی اجازت دی ہے۔ ارشاد ہے:

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْبُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْبُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ (النور ۲۴:۶۱)

اور کوئی حرج نہیں اگر کوئی اندھا ہے یا لنگڑا یا مریض (کسی کے گھر سے کھالے) اور نہ تمہارے اوپر اس میں کوئی مضائقہ ہے کہ اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھر سے یا اپنی ماں اورنانی کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان کے گھروں سے جن کی کنجیاں تمہاری سپردگی میں ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ تم لوگ مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔

لہٰذا مسلم معاشرے اور اسلامی ریاست میں معذوروں کے کھانے کا بندوبست کرنا ان لوگوں کی ذمہ داری ہے جو اس معاشرے میں رہتے ہیں اور ریاست کے مہیا کردہ سہولیات سے استفادہ کرتے ہیں۔

و: مظلوموں کی مدد کی ترغیب

کمزوروں، بوڑھوں، عورتوں ور بچوں کو ظالموں کے ظلم سے نجات دلانے، انہیں آزاد کرانے، ان کے حقوق دلانے اوران کی تکالیف دور کرنے کے لیے جہاد کی ترغیب دی گئی۔ جہاد کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد اورفرضیت جہاد کی علتوں میں سے ایک مضبوط علت ان کی مدد قرار پائی۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ج

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ج وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا○ (النساء ۴:۷۵)
آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پاکر دبا لیے گئے اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی اور مددگار پیدا کر دے۔

قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں معذوروں کے بارے میں گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو ان کے ساتھ رعایت، ان کی خدمت اور ان پر رحمت و شفقت کی بڑی وسعت معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانو ں کو چاہیے کہ اپنی بساط کے مطابق ان کی جس طرح بھی ممکن ہو خدمت کریں۔ اپنے معمولات میں رفاہی کاموں میں اور دیگر معاملات میں ان کا لحاظ رکھیں۔ معذوروں کے حقوق کی ادائیگی میں درج ذیل باتوں پر خاص توجہ دینی چاہیے۔

معذور افراد سے خصوصی سلوک

عام طور پر لوگ معذوروں کو ان کے عیوب سے پکارتے ہیں۔ ان کے عیوب کی بنا پر ان کا نام رکھ لیتے ہیں اور بعض اوقات انہیں چڑاتے ہیں، تنگ کرتے ہیں لیکن اسلامی تعلیمات کی رُو سے ان کا احترام کرنا، انہیں ان کے اپنے ناموں سے پکارنا اور برتاؤ میں نرمی کرنا چاہیے۔

۱: کام میں رعایت

کام کاج میں ان سے تخفیف اور رعایت کا برتاؤ کرنا اور تندرستوں کی نسبت ان سے کم کام لینا چاہیے۔

۲: بھاری ذمہ داری نہ ڈالنا

معذور لوگوں پر بھاری ذمہ داری عائد نہیں کرنا چاہیے۔ جب ان کا

خالق ان کے ساتھ اتنی نرمی و رعایت کر رہا ہے تو ہمیں ان کی طاقت ، اہلیت اور برداشت کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے رعایت کا برتاؤ کرنا چاہیے۔

۳:کھانا اور کپڑے دینا

ان کی سب سے بڑی ضرورت کھانا اور لباس ہے سو اپنی مالی نیکیوں میں ان کو سامنے رکھنا، ان کے کھانے کا بندوبست کرنا، ان کو لباس پہنانا اور ان کی رہائش کا بندوبست کرنا چاہیے۔

۴: ہر قسم کی مدد کرنا

اللہ تعالیٰ نے جہاد کی اہم علتوں میں سے ایک اہم مقصد ان کی نصرت کرنا اور سرپرستی کرنا بتایا ہے۔ سو ان کی مدد کرنا بڑی نیکی اور اجر و ثواب کا باعث ہے، ان کی تکالیف رفع کرنا، ان کو ظالم کے ظلم سے بچانا، کسی بندش میں جکڑے ہوئے ہوں تو انہیں آزاد کرنا ایک تندرست، صحت مند اور آزاد انسان پر اخلاقی و انسانی اور دینی فریضہ ہے۔

۵: ان کے لیے کلمہ خیر کہنا

ہر شخص مظلوموں اور محتاجوں کی تمام ضروریات و حاجات کو پورا نہیں کرسکتا لیکن ان کو کسی صاحبِ خیر اور حیثیت والے شخص کے پاس تو لے جاسکتا ہے۔ لہٰذا ان کے لیے کلمہ خیر کہنا، ان کے ساتھ دو قدم چلنا، جہاں سے ان کی مدد ہوسکے وہاں پر لے جانا، کسی کو ان کی مدد کے لیے آمادہ کرنا اور امداد لے کر دینا بھی بڑی نیکی ہے۔

۶: معذوروں کو ترجیح دینا

زندگی کے معاملات میں، برتاؤ میں، کام کاج میں جب دو افراد برابر ہوں اور کسی کام کے لیے پیش ہوں تو معذور فرد کو ترجیح دینا اعلیٰ انسانی اخلاق

میں سے ہے۔ جیسے ٹکٹ گھر میں لوگ ٹکٹ خرید رہے ہوں، دکان سے سامان لے رہے ہوں، سواری پر سوار ہو رہے ہوں تو اسلامی اور عام انسانی اخلاقی تعلیم یہ ہے کہ معذور کو ترجیح دی جائے اور پہلے اس کا کام کیا جائے۔ یہ نہ صرف نیکی کا کام ہے بلکہ معاشرے کو حسن اخلاق سے معمور کرنے کے لیے بھی ضروری ہے۔

۷: عمومی خدمت کرنا

قرآن مجید نے جہاں متعدد طبقات کی خدمت کرنے ، ان کے ساتھ شفقت اور رحمت کا برتاؤ کرنے پر زور دیا ہے وہیں متعدد حاجت مندوں کے نام لے کر یا ان کے ساتھ صفات بیان کرکے ان کی خدمت کرنے، ان کے حقوق ادا کرنے اور ان سے حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ یہاں پر دو آیتیں نمونے کے طور پر بیان کی جارہی ہیں۔ ان سے ایک طرف ان طبقات کی مدد کی اہمیت اور دوسری طرف اسلام کے مزاج و نظام اوراس کی وسعت اور ہمہ گیری کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

چنانچہ اسلام کی جامعیت اور مختلف گوشوں کو نمایاں کرتے ہوئے فرمایا گیا:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ لا وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ج وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ O (البقرۃ ۲:۱۷۷)

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف

کرلیے یا مغرب کی طرف بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخرت اور ملائکہ کو اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال، رشتے دارں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اورغلاموں کی رہائی پر خرچ کرے نماز قائم کرے، اور زکوٰۃ ادا کرے اورنیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تواسے وفا کریں اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اورحق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راستباز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔

اس آیت کریمہ کے مضمون پر غور کریں تو چار اہم باتیں سامنے آتی ہیں جو اسلام کی اساس اور بنیادیں ہیں‌اور انسان کی ہدایت و مغفرت کا سبب ہیں۔

اوّل ایمان کامل، اللہ تعالیٰ، روز قیامت، جملہ ملائکہ، آسمانی کتب اور انبیاء کرام پر دل سے ایمان لانا اور ان پر یقین کرنا۔

دوم مال خرچ کرنا، باوجود محبت، رغبت اور حاجت کے اپنا مال زکوٰۃ کے علاوہ قرابت داروں، یتیموں ، غریبوں مسافروں اور سائلوں کو دینا۔ نیز انسانوں کی گردنیں چھڑانے میں دینا یعنی مسلمان، جن کو کفار نے قید کررکھا ہو،ان کی رہائی میں یا مقروض کو قرض خواہ سے چھڑانے میں یا غلام کو آزاد کرانے میں یا مکاتب غلام کو خلاصی دلانے میں خرچ کرنا۔

سوم عبادت کی ادائیگی: نماز کو خوب درستگی کے ساتھ ادا کرنا اور چاندی سونے اور جملہ اموال تجارت میں سے زکوٰۃ دینا۔

چہارم اخلاق حسنہ اختیار کرنا: اخلاق حسنہ میں سے دو ایسے بنیادی اخلاق کا تذکرہ کیا گیا جو تمام اخلاق کی اساس ہیں یعنی عہد پورا کرنا چاہیے۔ اس سے بندوں کے مالی حقوق کی ادائیگی، ان کی خدمت اور ان پر شفقت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے خواہ یہ انفرادی ہو یا اجتماعی اور اللہ تعالیٰ سے ہو یا بندوں سے ہو اور صبر و استقلال کی صفت سے مزین ہو۔ آیت کے آخر میں فرمایا ایسے ہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ متقی اور پرہیزگار ہیں۔

آیت کریمہ میں ابتدامیں لیس البر کہہ کر بتایا کہ چند رسوم اور طور طریقوں کو اختیار کرلینا اور عقائدو اعمال کی پروا نہ کرنا نیکی نہیں ہے اور نہ ہی نجات کے لیے کافی ہے (تفسیر عثمانی ،تفسیر البقرۃ ۲) ہمارے موضوع کی نسبت سے آیت کے مضامین کے دوسرے نقطے پر غور کریں تو اس کام کی عمومیت اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

انسانوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان پر شفقت کی اہمیت اور وسعت کا اندازہ کرنے کے لیے ایک اور آیت کا مطالعہ کیجیے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَ
الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ
بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ
مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝ (النساء۴:۳۶)

اور تم سب اللہ کی بندگی کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔ قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور

مسافر سے اور لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہیں
احسان کا معاملہ رکھو یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں
کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے۔

آیت میں آمدہ صاحب بالجنب کے لفظی معنی ہیں پہلو کا ساتھی یا ہم پہلو ساتھی۔ لہٰذا اس کے معنی مفہوم اور دائرہ کار میں بڑی وسعت ہے۔اس کا دائرۂ ہم نشین دوست سے تھوڑی دیر کے لیے معمولی ساتھ والے فرد تک پھیلا ہوا ہے۔ جیسے آپ بازار میں جا رہے ہیں ، دکان پر سودا خرید رہے ہیں، ٹکٹ کی کھڑکی پر ٹکٹ خرید رہے ہیں، مجلس میں کسی کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں یا دفتر میں کوئی آپ کا ہم نشین ہے۔ فیکٹری میں آپ کے ساتھ کام کررہا ہے یہ تمام لوگ صاحب بالجنب کے دائرے میں شامل ہیں۔ لہٰذا اپنوں کے ساتھ حسن سلوک کی قرآن مجید نے تعلیم دی ہے۔اس کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ ان کو اپنے قول وفعل سے تکلیف نہ دی جائے۔ ایسی گفتگو نہ کی جائے جس سے ان کی دل آزاری ہو، پان کھاکر اس کی پیک ان کی طرف نہ پھینکیں ، سیٹ پر اپنی جگہ تک محدود رہیں۔ اور دھکا دے کر ان سے آگے نہ بڑھیں ۔ قرآن مجید کی اس تعلیم پر عمل کیا جائے تو ریل، بس ، بازار اور رش والی جگہوں پر بہت سی تکالیف اور جھگڑے دور ہوجائیں۔ (تفہیم القرآن اورمعارف القرآن)

قرآن مجید نے مسکینوں، فقیروں بھوکوں، مسافروں، قیدیوں اور مصیبت کے ماروں کا تذکرہ جس کثرت سے کیا ہے، اس کی جھلک ان کے بارے میں آمدہ الفاظ کی تعداد سے کیجیے۔ چنانچہ قرآن مجید میں مسکین کا کلمہ ۱۱ مرتبہ اور مساکین کا لفظ ۱۲ مرتبہ آیا ہے۔ یعنی ۲۳ آیتوں اور ۱۸ سورتوں میں مسکینوں کا تذکرہ ہے۔ فقیر کا کلمہ ۵ مرتبہ اورفقراء کا کلمہ ۷ مرتبہ آیا ہے جو ۱۰ سورتوں اور

۱۲ آیتوں میں بیان ہوا ہے۔ ابن السبیل (مسافر) کا ۸ مرتبہ بیان ہوا ہے۔ بائس (بھوکا) ایک مرتبہ الغارمین (مقروض) کا کلمہ ایک بار اور اسیر (قیدی) کا ۴مرتبہ آیا ہے۔اسی طرح السائل کا لفظ ۷ مرتبہ وارد ہوا ہے۔ یہ کلمات جس کثرت سے آئے ہیں اور بہت سی آیات میں وارد ہوئے ہیں۔ ان میں یقیناً ان کے حقوق و احکام بیان کیے گئے ہیں اور جوبات کسی فرد کا حق ہے وہ دوسرے پر فرض ہے ۔ لہٰذا ان طبقات اور افراد کے حقوق ادا کرنا اصحاب ثروت و دولت کے فرائض میں سے ہے۔

۷:حاجت مند افراد کی سفارش کرنا

قرآن مجید حاجتمند ، ضرورتمند ، بے بس اور مظلوم افراد کی ضرورتیں پوری کرنے ، ان سے ظلم دُور کرنے اور انہیں آرام پہنچانے کے لیے ان کو مناسب اشخاص کے پاس لے کر جانے ، ان کی سفارش کرنے اور تعاون کرنے کو بڑا اجروثواب کا کام بتاتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ○ (النساء۴:۸۵)

جوبھلائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں حصہ پائے گا اور جو برائی کی سفارش کرے وہ اس میں حصہ پائے گا اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔

علماء نے اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث یہ لکھی ہے :

قال النبی ﷺ الدال علی الخیر کفاعله (رواه البزار)

آپ ؐ نے فرمایا جو شخص کسی نیکی پر کسی کو آمادہ کرے اس کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے جیسا اس نیک عمل کرنے والے کو۔

نیز اس کی تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں اگر کوئی محتاج کی سفارش کر کے دولت مند سے کچھ دلوا دے تو یہ بھی خیرات کے ثواب میں شریک ہوگا۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۱۹) صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اشفعوا فلتوجروا ویقض اللہ علی لسان نبیہ ماشاء

یعنی تم سفارش کیا کرو تمہیں ثواب ملے گا۔ پھر اللہ اپنے نبی کے ذریعے سے جو فیصلہ فرمائیں اس پر راضی رہو۔

۸: انبیاء کرام کے نمونے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں چند انبیاء کرام اور بعض علماء کے قصے بیان کیے ہیں ان قصوں میں ان نبیوں کے کام اور کردار کے جو پہلو نمایاں طور پر بیان کیے ہیں ان میں زیادہ تر خدمت خلق اور شفقت علی الخلق کے واقعات و اعمال ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی پوری زندگی میں دعوت تبلیغ کے ساتھ جو کام نمایاں نظر آرہا ہے وہ خدمت خلق کے عظیم کارنامے ہیں، کہیں مظلوم لوگوں کو ظالم کی غلامی اور قید سے نکال کر آزادی دلا رہے ہیں، کہیں بے بس عورتوں کے ریوڑ کو پانی پلا رہے ہیں کہیں کسی مظلوم فریادی کی فریاد پر پہنچ رہے ہیں تو کہیں پوری قوم کے لیے کھانے ، پینے اور سائے کا بندوبست کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ اس طرح دیگر انبیاء کرام کا معاملہ ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کا علاج معالجہ کررہے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام لوگوں کے تنازعات طے کرارہے ہیں، ان کے لیے برتن اور دیگر ضروریات کا سامان تیار کر رہے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمانوں کو کھانا کھلا رہے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خدمت خلق کے بڑے کارناموں میں

اپنی اولاد کی اخلاقی ، روحانی، معاشرتی اور معاشی زندگی کی سہولتوں کا پہلے سے بندوبست کرنا اور ان کی دونوں جہانوں کی بھلائی چاہنا سب سے بڑا کارنامہ ہے اور یہ وہ نبیادی فرق و اعتقاد ہے جو ایک مومن کے رفاہی کاموں اور دین سے آزاد افراد کے رفاہی کاموں میں ہوتا ہے۔

۹:مسافروں کے حقوق

قرآن مجید نے سفر اور مسافروں کے لیے کئی اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ دو درجن سے زیادہ آیات میں ان کا تذکر ہ ہے۔ ان میں سفر، سیر، سیاحت اور ضرب فی الارض کے کئی افعال آئے ہیں۔ پھر مسافر کے لیے ایک اصطلاح ابن السبیل ہے۔ یہ کلمہ آٹھ آیات میں وارد ہوا ہے۔ اس سے مسافروں کے حقوق و آداب کا اندازہ ہوتا ہے۔

قدیم دور سے آج تک جو لوگ حاجت مند اور ضرورت مند رہے ہیں ان میں ایک طبقہ مسافروں کا ہے ۔ زمانہ قدیم میں یہ لوگ عام طور پر تکلیفوں، مصیبتوں اور آفتوں میں مبتلا رہتے تھے۔ بھوک، پیاس ا ور دیگر حاجت مندوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ زیادہ تر یہ لوگ زادِ راہ ختم ہونے اور بعض مرتبہ لوٹ مار اور چوری کی وجہ سے کنگال ہوجاتے تھے ۔اگرچہ آج کے دور میں یہ سلسلہ کم ہو گیا ہے، لیکن پھر بھی اس سے سابقہ پیش آتا رہتا ہے اور پردیس میں کسی مشکل میں گرفتار ہوجانا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ لہٰذا قرآن مجید نے جس طرح معاشرے کے دوسرے کمزور آفت زدہ طبقات کا لحاظ رکھا ہے اسی طرح مسافروں کا بھی بہت لحاظ کیا ہے۔ ان کے حقوق معین کیے گئے۔ ان کی عبادت میں تخفیف کی گئی، انہیں بوقت ضرورت لازمی صدقات و خیرات دلائی گئی اور ان سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی۔ قرآن مجید میں مسافروں سے جو مراعات برتی

گئی ہیں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مسافر

مسافر کی تعریف (Defination) یہ کی گئی ہے جو عاقل بالغ شخص اپنے گھر سے اڑتالیس میل (فقہ حنفی میں یہ زیادہ سے زیادہ حد ہے) دُور جانے کی نیت کرکے گھر سے نکلے وہ مسافر ہے۔ لہٰذا اسے سفر کی وہ تمام مراعات حاصل ہوں گی جو اس کے لیے رکھی گئی ہیں۔

الف: عبادات میں تخفیف

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی عبادات میں مسافر سے رعایت برتتے ہوئے جو فرض نمازیں چار رکعتیں ہیں، نصف کردیں۔ (النساء۴:۱۰) روزہ چھوڑنے کی اجازت دے دی۔ ارشاد باری ہے۔ مَن كَانَ مَرِيضًا أَوْعَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَر (البقرۃ ۲:۱۸۵) ''اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرے''۔ اس سے نماز جمعہ کی فرضیت ساقط ہوگئی۔ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کا حکم سفر کے صدقے ملا۔ جب اللہ تعالیٰ خود مسافروں سے اتنی نرمی برت رہے ہیں تو انسانوں کو بھی ان سے نرمی برتنی چاہیے ۔ ابتداءِ اسلام میں قیام اللیل تمام مسلمانوں کے لیے لازم تھا ۔ پھر اس میں تخفیف کی گئی اس تخفیف کی ایک وجہ مسلمانوں کا روزی کمانے کے لیے سفر کرنا بتایا گیا۔ ارشاد ہوا : وَآخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (المزمل ۷۳:۲۰) ''کچھ دوسرے لوگ اللہ کے فضل (رزق) کی تلاش میں سفر کرتے ہوں گے۔

ب: زکوٰۃ کا مستحق ہونا

زکوٰۃ کے مستحقین کی جومدات ہیں اور جو لوگ اس کے مستحق ہیں ان میں ایک مسافر ہے۔ وہ خواہ اپنے گھر میں غنی ہو لیکن حالت سفر میں اگر وہ مدد

کا محتاج ہو جائے تو زکوٰۃ کی مد سے اس کی اتنی مدد کی جائے گی کہ وہ اپنے گھر پہنچ جائے۔

ج: مال غنیمت میں حصہ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاں مال غنیمت کے اہم مدات و مصارف مقرر فرمائے وہاں مسافروں کو بھی مالِ غنیمت سے حصہ دیا، فرمایا:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ (الانفال ۸:۴۲)

اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اوراس کے رسولؐ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔"

کیونکہ بعض اوقات مسافر کو امداد کی سخت ضرورت لاحق ہوتی ہے اس لیے حکومت کو چاہیے کہ مال غنیمت میں سے ایک حصہ ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے اور ان کے لیے سہولیات مہیا کرنے کا بندوبست کرے۔اس کی ایک صورت یہ ہے کہ حکومت اپنے بجٹ میں ان کے لیے مختلف ضرورتیں پوری کرنے کے لیے رقم مختص کرے اور ان کے لیے سرائیں، مسافرخانے، راستے، سبیلیں، بیت الخلاء وغیرہ بنوائے۔

د: فئے کا حقدار

وہ اموال منقولہ جو جنگی کارروائیوں کے دوران دشمنوں کے لشکروں سے حاصل ہوں، مالِ غنیمت ہیں۔ ان کے ماسوا دشمن ملک کی زمینیں، مکانات اور دوسرے اموال منقولہ وغیر منقولہ فئے کہلاتے ہیں۔ ان اموال میں مسافروں کا حصہ ہے۔: ارشاد ہے :

مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنَ السَّبِيْلِ (الحشر ۵۹:۷)

جو کچھ بھی اللہ بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے۔

اس سے اندازہ کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے مسافرں کا کتنا لحاظ رکھا ہے۔

۵: مسافر کی خدمت کا حق ہونا

عام مسلمانوں پر مسافروں کی خدمت کرنا۔ ان کی ضروریات پوری کرنا اور ان کے کھانے کا بندووست کرنا حق ہے۔ ارشاد ہے:

وَاٰتِ ذِی الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا

(بنی اسرائیل ۱۷:۲۶)

اور رشتہ داروں کو اس کا حق دو اور مسکین و مسافر کو اس کا حق دو اور فضول خرچی نہ کرو۔

اور سورۂ روم میں ارشاد ہے:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ز وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O (الروم ۳۰:۳۸)

پس (اے مومن) رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین و مسافر کو اس کا حق دے۔ یہ طریقہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یہ نہیں فرمایا کہ رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو خیرات دے بلکہ ارشاد یہ ہوا ہے کہ یہ اس کا حق ہے جو تجھے دینا چاہیے اور حق سمجھ کر تو اسے دے۔ اس کو دیتے ہوئے یہ خیال تیرے دل میں نہ آنے

پائے کہ یہ کوئی احسان ہے جو تو کر رہا ہے۔ لہٰذا مسافروں کی خدمت کرنا اور ان کی ضروریات پوری کرنا مسلم معاشرے پر ایک قسم کا حق ہے اور یہی فرق ہے مسلم معاشرے اور غیر مسلم معاشرے کے درمیان۔ مسلم معاشرے میں ان کی خدمت ان کا حق سمجھ کر، اللہ کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ محسوس کرکے اور آخرت کی نجات حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔

و: عمومی انفاق

قرآن مجید نے نفلی و عمومی انفاق کے جو حقدار بتائے ہیں ان میں ایک مسافر بھی ہے ۔ مسافر اگرچہ اپنے گھر اور وطن میں غنی اور مالدار ہے لیکن سفر میں ہونے کی وجہ سے ہر قسم کے انفاق اور مدد کا مستحق ہے۔ ارشاد باری ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ O (البقرۃ ۲: ۲۱۵)

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں ہم کیا خرچ کریں؟ جواب دو کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین پر، رشتے داروں پر ،یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو اور جو بھلائی بھی تم کرو گے، اللہ اس سے باخبر ہوگا۔

اس سلسلے میں مزید اہمیت سورۃ البقرۃ آیت نمبر (۱۷۷) میں ملاحظہ کریں۔

ز: حسن سلوک

قرآن مجید نے مسافر کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ یہ مسافر چاہے وقتی اور تھوڑی دیر کا ساتھی ہی کیوں نہ ہو۔ بہرحال اس سے حسن سلوک کیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى
وَ الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ
بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ لا وَمَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ
كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝ (النساء:۳۶)

اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں، احسان کا معاملہ رکھو یقین جانو کہ اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی میں فخر کرے۔

مسافر کے حقوق اور اس سے حسن سلوک کے بارے میں یہ چند مختصر باتیں ہیں جو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں پیش کی گئی ہیں۔

۱۰: مقروض پر شفقت

اسلام نے جن طبقات کے ساتھ ہمدردی ، شفقت اور رحم کا زیادہ برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، ان میں ایک مقروضوں کا طبقہ بھی ہے۔ تاریخ کی ابتداء سے لے کر آج تک قرض عام طور پر دو مقاصد کے لیے حاصل کیا جاتا ہے۔ ایک ذاتی ضروریات کے لیے جیسے شادی ، تعلیم، خوراک، لباس مکان بنانا، سواری وغیرہ خریدنے، دوسرا کاروباری ضروریات، حاجات کے لیے جیسے دکان کھولنا، کارخانہ لگانا، جاری کاروبار کو بڑھانا، فیکٹری لگانا یا اس میں کوئی شعبہ کھولنا وغیرہ۔

ان قرضوں میں سے پہلے قسم کے مقروض پر اسلام نے زیادہ شفقت کی ہے اور انہیں سہولت دلائی ہے۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ کے مستحقین کی جو فہرست دی گئی ہے۔ اس میں ایک مستحق مقروض ہے۔ اسے الغارم کی صفت سے بیان کیا گیا ہے۔غرام اور غرامہ اس جرمانے کو کہتے ہیں جو انسان پر ناگہانی آپڑے اور وہ تکلیف میں مبتلا ہوجائے۔ الغارمین سے مراد ایسے قرضدار ہیں جو اگر اپنے پورے مال سے قرض چکا دیں تو ان کے پاس قدر نصاب سے کم مال بچتا ہو۔ اللہ تعالیٰ مقروض کو زکوٰۃ دلاتے ہیں تو ہمیں بھی اس سے نرمی برتنی چاہیے۔اور یہ ہماری ہمدردی کا حقدار ہے۔مسلمانوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ ایسے پریشان حال اور ضرورتمند لوگوں کو سہولت سے قرض دیں اوراس قرض کی وصولی میں نرمی برتیں۔ قرض دے کر اس کی ادائیگی میں مہلت دینا اور غریب ہو تو معاف کردینا ایسا نیک کام ہے جو آخرت میں مغفرت کا سبب ہوگا قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَإِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلٰى مَيْسَرَةٍ وَإِنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ ۲:۲۸۰)

اور اگر قرضدار تنگدست ہے تو کشادگی تک مہلت دو اور اگر بالکل معاف کردو تو تمہارے لیے یہ (صدقہ کردینا) عمل خیر ہے اگر تم سمجھو۔"

اس آیت سے شریعت میں یہ حکم نکالا گیا ہے کہ جو شخص ادائے قرض سے عاجز ہو گیا ہو، اسلامی عدالت اس کے قرض خواہوں کو مجبور کرے گی کہ اسے مہلت دیں اور بعض حالات میں وہ پورا قرض یا قرض کا کچھ حصہ معاف کرانے کی مجاز بھی ہو گی۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص کے کاروبار میں گھاٹا آگیا اور اس پر قرضوں کا بوجھ بہت چڑھ گیا۔ معاملہ نبی ﷺ کے پاس آیا۔ آپؐ نے لوگوں سے اپیل کی کہ اپنے اس بھائی کی مدد کرو۔ چنانچہ بہت

سے لوگوں نے اس کو مالی امداد دی، مگر قرضے پھر بھی صاف نہ ہوسکے۔ تب آپؐ نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا کہ جو کچھ حاضر ہے۔ پس وہی لے کر اسے چھوڑ دو۔ اس سے زیادہ تمہیں نہیں دلوایا جاسکتا۔

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ایک شخص کے اپنے رہنے کا مکان، کھانے کے برتن، پہننے کے کپڑے اور وہ آلات جن سے وہ اپنی روزی کماتا ہو خرچ نہیں کیے جا سکتے۔ (تفہیم القرآن)

زکوٰۃ کے مستحقین میں ایک مستحق زکوٰۃ مقروض ہے۔ لہٰذا مقروض چاہے کمانے والا ہو یا روزگار، خواہ عرف عام میں فقیر سمجھا جاتا ہو یا غنی دونوں صورتوں میں زکوٰۃ سے اس کی مدد کی جائے گی۔ البتہ کچھ فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جس شخص نے بداعمالیوں اور فضول خرچیوں کے لیے قرض لیا ہے اور اپنے آپ کو قرض میں مبتلا کیا ہے تو وہ جب تک تائب نہ ہوجائے مدد نہیں کی جائے گی۔ مفتی محمد شفیعؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں غلام کی گلو خلاصی کے لیے یا قرضدار کو ادائے قرض کے لیے دینا عام فقراء و مساکین کو دینے سے افضل ہے۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ اس قرضدار کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ وہ قرض ادا کرسکے۔

۱۱: بیوہ کے حقوق اوراس کے ساتھ حسن سلوک

انسانی معاشرہ میں جن طبقات کو نظر انداز کیا گیا ہے ان کے ساتھ بے رحمانہ سلوک کیا گیا اور ذلت کے ساتھ انسانی حقوق سے محروم کیا گیا ان میں ایک طبقہ بیوہ عورتوں کا ہے۔ یہ وہ خواتین ہیں جن کے شوہر فوت ہوچکے ہوں اوروہ بے بسی و بے کسی کی زندگی گزاررہی ہوں۔

دیگر مذاہب ومعاشروں نے ان کی بڑی حق تلفی کی ہے بعض نے ان سے زندہ رہنے کا حق تک چھین لیا، انہیں نکاح ثانی سے محروم کیا،انہیں میراث کا

حق دار قرار نہیں دیا اور انہیں اپنے گھروں سے نکال دیا اور در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے لیے چھوڑ دیا۔ یہاں تفصیل بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ بس نہایت اختصار سے چند ایک وہ عنایتیں اور مہربانیاں جو اسلام نے اس طبقے کے ساتھ کی ہیں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

الف: عدت کا تعین

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کو ان کے مناسب حقوق دیتے ہوئے ان کے لیے ان کے شوہر کی وفات کے بعد عدت مقرر کی ہے۔ یہ عدت دو قسم کی ہے ایک وہ عورتیں جو اپنے شوہر کی وفات کے وقت حمل سے ہوں، ان کی عدت وضع حمل (بچہ جننا) ہے۔ چونکہ یہ عرصہ کم و بیش ہو سکتا ہے اس لیے اس کا تعین ولادت ہی پر ہے۔ دوسری وہ جو حمل سے نہیں ہے ان کی عدت چار مہینے دس دن ہیں۔ ارشاد باری ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ج (البقرۃ ۲: ۲۳۴)

تم میں سے جو لوگ مر جائیں ان کے پیچھے اگر ان کی بیویاں زندہ ہوں تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رکھیں۔

حاملہ عورت چاہے بیوہ ہو یا مطلقہ جب تک وضع حمل نہ ہو اس وقت تک اس کی ضروریات زندگی کا تمام خرچ شوہر کے مال میں سے ہوگا فرمایا۔

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

(الطلاق ۶۵: ۶)

اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر اس وقت تک خرچ کرتے

رہو جب تک ان کا وضع حمل نہ ہو جائے۔

بیوہ کی عدت کے فوائد پر غور کیا جائے تو ایک نمایاں فائدہ استبراءِ رحم (حمل نہ ہونے کا یقین ہونا) ہے اور دوسرا اہم فائدہ اس عورت کا تحفظ اور احترام ہے۔ عدت کے دوران اپنے شوہر کے گھر میں قیام کرے گی۔ مانوس مکان، واقف ماحول اور اپنائیت میں آرام سے بیٹھی رہے گی۔ اس کی عزت، جان اور مال محفوظ رہے گا۔ اگر یہ عدت مقرر نہ ہوتی تو نہ جانے اس کی جان اور عزت و آبرو کا کیا حال ہوتا۔

ب: گھر میں قیام

اگرچہ بیوہ کے لیے خاوند کے گھر میں لازمی قیام عدت کے دوران میں ہی ہے اوراس کے حقوق معین مدت (چار مہینے دس دن) تک ہیں۔ تاہم خاوند اور میت کے ورثاء کو ترغیب دی گئی ہے کہ اسے ایک سال تک اسی گھر میں رہنے دیں تو احسن اور افضل بات ہوگی۔ ارشاد ہے :

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ (البقرۃ ۲:۲۴۰)

تم میں سے جو لوگ وفات پائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ رہے ہوں ان کو چاہیے کہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک ان کو نان و نفقہ دیا جائے اور وہ گھر سے نہ نکالی جائیں۔

ج: مہر دلانا

شوہر نے اپنی زندگی میں اس کا مہر ادا نہیں کیا اور فوت ہوگیا تو یہ مہر اس کے ترکے میں سے دوسرے قرضوں کی طرح میراث کی تقسیم سے پہلے ادا

کیا جائے گا۔ یہ ادا کرنا فرض ہے ۔ یہ بیوہ کے لیے فوری اہم مالی مدد ہے۔مہر کی ادائیگی کی تاکید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واتوا النسآء صدقٰتهن نحلة (النسآء ۴:۴)

اور عورتوں کے مہر خوشدلی کے ساتھ قرض جانتے ہوئے ادا کرو۔

د: نان و نفقہ کا بندوبست

عدت کے دوران بیوہ کا نان و نفقہ ،خاوند کی حیثیت ، برادری اور ماحول کے مطابق دیا جائے گا۔ یہ شوہر کے مالی میراث میں سے نکالا جائے گا۔ یہ بیوہ کا لازمی حق ہے اور کسی صورت میں اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ساقط کیا جاسکتا۔

ھ:نکاح کی آزادی

بیوہ عورت کو اسلام نے نکاح ثانی کے لیے خود مختاری دی ہے۔ وہ عدت گزرنے کے بعد جب چاہے اور جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے ۔اس طرح کی آزادی بہت کم معاشروں میں‌دی گئی ہے۔ عام طور پر جوان بیوہ کو یا تو شوہر کے خاندان والے اپنے قبضے میں کرلیتے ہیں اور اپنے خاندان کے کسی فرد سے وہ چاہے نہ چاہے نکاح کرادیتے ہیں یا اس کووالدین لے جاتے ہیں اور اپنی مرضی سے اس کا نکاح کرتے ہیں جبکہ اللہ نے اس پر قبضہ کرنے اور شوہر کی میراث کے طور پراسے لینے سے منع فرمایا ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَایَحِل لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْهًا (النسآء ۴:۱۹)

اے مومنو! تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم زبردستی بیوہ عورتوں کو میراث بنالو۔

مسلم معاشرے اور اس کے افراد کو بیوہ اور غیر شادی شدہ لوگوں کا

نکاح کرانے اور نکاح کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد ہے۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ (النور۲۴:
۳۲)

تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں
میں سے جو صالح ہو ان کا نکاح کردو۔

و: بیوہ کی وراثت میں حصہ

ہمارے معاشرے میں شوہر کی وفات کے بعد عام طور پر بیوہ کو یہ تصور دلایا جاتا ہے کہ اب اس کا اس گھر میں کیا رکھا ہے اس لیے اس کو چلا جانا چاہیے۔ اگر اس کی اولاد نہیں ہے تو اپنے باپ کے گھر جائے اور اگر اولاد ہے تو اس کے رحم وکرم پر بیٹھی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شوہر کی میراث میں سے معقول حصہ دلایا ہے۔ اگر اولاد ہے تو اسے آٹھواں حصہ دیا ہے اور اگر اولاد نہ ہو تو چوتھا حصہ دلایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ
الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۗ (النساء۴:۱۲)

اور وہ تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی کی حقدار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو۔ ورنہ صاحب اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ آٹھواں ہو گا بعد اس کے کہ جو وصیت تم نے کی ہو وہ پوری کردی جائے اور جو قرض تم نے چھوڑا ہے وہ ادا کردیا جائے۔

ز: بیوہ کا مالی تحفظ

قرآن مجید بیوہ کا مالی تحفظ کرتا ہے۔اس کے پاس جو مال اسباب ہے یا مہر وغیرہ میں سے اسے حاصل ہوا ہے اس

کا تحفظ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ (النسآء ۴:۱۹)

اور نہ تمہارے لیے یہ بات جائز ہے کہ انہیں تنگ کرکے ان کا وہ مال ہتھیانے کی کوشش کرو جو تم انہیں دے چکے ہو۔

اگرچہ اس میں صریح بات تو ان شوہروں سے کہی گئی ہے جو اپنی بیویوں کو تنگ کرکے ان سے مہر کا مال یا دوسرا مال و متاع جو وہ رکھتی ہیں ہتھیانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن الفاظ کی عمومیت سے ان بیوہ عورتوں پر بھی اطلاق ہوتا ہے جو شوہر کے وارثوں کے رحم و کرم پر ہوتی ہیں۔ ان سے بھی کہا جا رہا ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد تو یہ بے بس زیادہ رحم اور حسن سلوک کی مستحق ہوگئی ہیں نہ یہ کہ شوہر نے اپنی زندگی میں جو مہر اور مال اس کو دیا تھا تم الٹا اس کو ہتھیانے کی ذلیل حرکت کرنے لگو۔

ہ: بیوہ کا عمومی تحفظ

بیوہ کے تحفظ اور نگہداشت نیز اس کا گھر بسانے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد ہوا:

وانکحوا الایامٰی منکم (النور ۲۴:۳۲)

اور جو تم میں بیوہ اور کنوارے ہیں ان کا نکاح کراؤ۔

۱۴: مطلقہ کے حقوق اور اس کے ساتھ حسن سلوک

معاشرے کے کمزور اور مظلوم طبقات میں سے مطلقہ عورتیں بھی ہیں طلاق ایک ناپسندیدہ اور برا فعل ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان طلاق کی شناعت کے لیے کافی ہے: ابغض الحلال عندالله الطلاق ”حلال باتوں میں ناپسندیدہ ترین

بات طلاق ہے''۔ لہٰذا عورت کو طلاق کا ملنا مصیبت میں گرفتار ہونا ہے۔ایک طرف خاوند سے علیحدگی ، اگر بچے ہیں تو ان سے جدائی ، معاشی مشکلات میں مبتلا ہونا اور معاشرے کے طعنے اور طنز سہنا ۔مستقبل کے خطرات و خدشات وغیرہ۔

اسلام نے ایسی عورت سے نہایت ہمدردی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے معتدبہ حصے میں طلاق ، اس کی نوعیت ، اباحت و اجازت، اس کے احکام، مطلقہ عورت کے حقوق اوراس کے ساتھ حسن سلوک کا تذکرہ کیا ہے۔ سورہ بقرہ، سورہ نساء ، سورہ نور، سورۃ طلاق ،سورہ تحریم ، سورہ احزاب وغیرہ میں عائلی قوانین اورمطلقہ خواتین کا تذکرہ بڑی تفصیل سے آیا ہے۔

مختصر طور پر یہاں مطلقہ عورت کے لیے چند ایسی مراعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو قرآن مجید میں وارد ہوئی ہیں۔

الف:عدت

اسلام نے مرد کو باامر مجبوری اپنی بیوی کو طلاق دینے کی اجازت دی ہے۔ البتہ طلاق رجعی دینے کی ترغیب دی ہے۔طلاق بائن ،بائن مغلظہ اور بیک وقت تین طلاقیں دینے سے روکا ہے۔اس کی بڑی وجہ عورت کو تکلیف سے بچانا، آئندہ تعلقات درست کرنے کی راہ کھلی رکھنا اور پھر سے گھر بسانا وغیرہ ہے۔ مطلقہ عورتوں سے اگرچہ ایک حد تک شوہر کا تعلق ختم ہوجاتا ہے لیکن اسلام نے ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے اورعظیم تر مصلحتوں کی بنا پر ان کے کچھ حقوق رکھے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کیسا انسانیت نواز، اخلاق پسند اور عادلانہ نظام حیات ہے اور انسانی زندگی کے لیے سایہ رحمت ہے۔

مطلقہ عورت کے لیے عدت کا تعین کیا گیا ہے۔ ایسی عورت جو اپنے

خاوند سے خلوت میں ملی ہو اورخاوند نے اسے طلاق دے دی ہو تو اس کی عدت تین حیض اور حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل ہے۔ یہ عدت دراصل اسے فوری صدمے سے نجات دینے اور بے گھر ہونے سے بچانے کے لیے ہے۔ ارشاد ہے:

والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء (البقرۃ ۲:۲۲۸)

اورطلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

عدت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ طلاق رجعی ہونے کی صورت میں خاوند اپنی طلاق سے رجوع کرسکتا ہے اور عدت کے اندر بغیر نکاح کے اسے بیوی کی حیثیت سے واپس لے سکتا ہے لیکن اگر حاملہ ہے تو بچے کی ولادت تک اسی گھر میں رہ سکتی ہے۔ البتہ علماء نے اسے زیب و زینت کرنے اور بن سنور کر رہنے کی اجازت و ترغیب دی ہے۔

ب: رہائش کا بندوبست

مطلقہ عورت کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی عدت چاہے کسی نوع کی طلاق کی ہو اپنے شوہر کے گھر میں گزارے۔ نہ شوہر اسے گھر سے نکالے اور نہ ہی وہ اس گھر سے نکلے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ (الطلاق ۶۵:۶)

تم اپنی مطلقہ عورتوں کو عدت گزارے کے لیے اپنی وسعت کے مطابق مکان دو، جہاں تم رہتے ہو۔

پھر مرد اور عورت دونوں کو اس مکان میں عدت گزارنے تک رکھنے اور رہنے کی تاکید کی گئی فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ (الطلاق ۶۵:۱)

اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے، نہ تو تم ان عورتوں کو گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود ہی گھروں سے نکلیں۔

اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کو ہدایت کر کے عدت ختم ہونے تک اسی گھر میں وقت گزارنے اور ٹکے رہنے کی تاکید کی۔

ج: نان و نفقہ کا انتظام

مطلقہ جب تک عدت گزارے گی اس وقت تک نان و نفقہ کا بندوبست اس کے شوہر کے ذمے ہوگا۔وہ اپنی حیثیت کے مطابق اس کی ضروریات زندگی کا بندوبست کرے گا۔ ارشاد ہے:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ ۲:۲۴۱)

اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو ان کو معروف دستور کے مطابق سامان دیا جائے یہ متقیوں پر لازم ہے۔

نان و نفقہ کے بارے میں سورۂ طلاق میں ارشاد ہے:

وَاِنْ كُنَّ اُولٰتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

(الطلاق ۶۵:۶)

اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر اس وقت تک خرچ کرتے رہو جب تک ان کا وضع حمل نہ ہوجائے۔

د: مطلقہ کو تکلیف نہ دینا

چونکہ مطلقہ ذہنی و معاشرتی دکھوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اس کے شوہر اور دیگر رشتہ داروں سے کہا گیا کہ اس کو مزید تکلیف دے کر اس کے دکھوں میں اضافہ نہ کریں۔ ارشاد فرمایا:

ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن (الطلاق ۶۵:۶)

اور انہیں تنگ کرنے کے لیے انہیں نہ ستاؤ۔

ایک مومن ، ایک شریف آدمی اور باکردار شخص کا یہ رویہ ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ جس عورت کے ساتھ ایک عرصہ محبت و مودت کا گزارا ہے اب اسے طعنے دے کر، اس کے عیب گنا کر اور اسے عار دلا کر تنگ کرے، ستائے اور ذہنی ایذاء پہنچائے۔

ھ: مطلقہ کا بچہ کو دودھ پلانا

مطلقہ کی گود میں اگر دودھ پیتا بچہ ہے تو عدت گزرنے کے بعد اسے دودھ پلانے کا معاوضہ دلایا گیا ہے تاکہ بچے کو دودھ پلانے کے ساتھ ساتھ اس کی گزر بسر کا بندوبست بھی ہوجائے۔ پھر بچے کے والد کو ترغیب دی گئی کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لیے بچے کی ماں کو دوسری عورت پر ترجیح دے۔ کیونکہ مطلقہ کا اپنے بچے پر دوسری عورتوں سے زیادہ حق ہے۔ ارشاد باری ہے:

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ ۖ

(الطلاق ۶۵:۶)

پھر اگر وہ تمہارے لیے (بچے کو) دودھ پلائیں تو ان کی اجرت انہیں دو اور بھلے طریقے سے (اجرت کا معاملہ) باہمی بات چیت سے طے کرلو۔

علمائے کرام نے اس ایک آیت کے جز سے چھ حکم نکالے ہیں جو یہ ہیں۔

۱: عورت اپنے دُودھ کی مالکہ ہے اس لیے اس کی اجرت لینے کی مجاز ہے۔

۲: عورت وضع حمل ہوتے ہی اپنے سابق شوہر کے نکاح سے باہر ہو جاتی ہے۔ لہٰذا بچے کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں ہوگی۔

۳: باپ بھی قانوناً مجبور نہیں ہے کہ بچے کو اس کی ماں ہی سے دودھ

پلوائے۔

۴: بچے کا نان و نفقہ باپ پر عائد ہوتا ہے۔

۵: بچے کو دودھ پلانے کی اوّلین حقدار ماں ہے۔

۶: اگر دوسری عورت کو بھی وہی اجرت دینی پڑے جو بچے کی ماں مانگتی ہے تو ماں کا حق اولیٰ ہے۔

و: نکاح ثانی کی آزادی

مطلقہ عورت کو عدت گزرنے کے بعد دوسرا نکاح کرنے کی نہ صرف آزادی اور پورا اختیار ہے بلکہ سابق شوہر اور اس کے رشتہ داروں سے کہا گیا کہ اسے اپنا رفیق حیات منتخب کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیں اور اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالیں۔ اس کے فعل کی ذمہ داری کسی پر نہیں ہے ارشاد باری ہے:

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيٓ أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ (البقرۃ۲:۲۱۴)

پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو انہیں پورا اختیار ہے کہ اپنی ذات کے معاملے میں جو فیصلہ چاہیں کریں تم پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اللہ ہر ایک کے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔

ز: مال کے تحفظ

اسلام نے عورت کو مال کمانے، مال رکھنے، اسے بڑھانے اور استعمال کرنے کا حق اور تحفظ دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِن فَضْلِهِ ۝ (النساء۴:۳۲)

اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ
ہے جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ
ہے۔ ہاں اللہ سے اس کے فضل کی دعا مانگتے رہو۔

یہ تو بات عمومی بات تھی جو تمام کے لیے ہے۔ مطلقہ عورت سے مالی بے انصافی اور زیادتی کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے۔ شوہر تنگ کرتا ہے اوراس کی مہر کی رقم ہضم کرجاتا ہے۔ بعض اس سے تحفے میں دیے ہوئے کپڑے اور دیگر اشیاء تک رکھوا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی حرکتوں سے روکتے ہوئے فرمایا:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا (البقرۃ۲:۲۲۹)

اور (مطلقہ عورتوں کو رخصت کرتے ہوئے) تمہارے لیے
جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے
کچھ لے لو۔

مطلقہ عورتوں کو جو مہر ،زیور، کپڑے اورمال وغیرہ ان کے شوہر دے چکے ہیں ان میں سے کوئی بھی چیز ان کو واپس لینے کا حق نہیں ہے۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو جن اعلیٰ اخلاقی اصولوں کوتعلیم دی ہے اس کی رو سے یہ بات ویسے بھی انتہائی مکروہ ہے کہ ایک شخص جو چیز کسی کو ہبہ کرچکا ہو یا تحفے میں دے چکا ہے اس کو واپس لے۔ حدیث میں اس ذلیل حرکت کو کتے کے اس فعل سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنی قے خود ہی چاٹ لے۔ مگر ایک شوہر کے لیے تو خاص طور پر یہ بات انتہائی شرمناک ہے کہ وہ اپنی مطلقہ بیوی کو رخصت کرتے وقت اس سے وہ سب کچھ رکھوا لینا چاہے جو اس نے خود ہی کسی وقت اسے محبت سے دیا تھا۔ اس کے برعکس اسلام کی ہدایت تو یہ ہے کہ مطلقہ عورتوں

کو کچھ اور دے دلا کر شریفانہ سلوک سے رخصت کرو۔ یہ وہ عورتیں جو تمہارے ساتھ ایک عرصہ تک رفاقت کی زندگی گزار چکی ہیں۔

ح: میراث میں حصہ

مطلقہ عورت کا خاوند اگر رجعی طلاق کی عدت میں فوت ہوجائے تو اسلام نے اسے میراث میں سے حصہ دلایا ہے اور فقہاء نے یہاں تک بیان کیا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو میراث سے محروم کرنے کی نیت سے مرض الموت میں طلاق بائن دیتا ہے اور عدت میں فوت ہو جاتا ہے تو اسے میراث میں حصہ ملے گا۔ (جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن۔ مجموعہ قوانین اسلام۔ ج۵،ص۱۷۰۱)

ط: مہر دلانا

شوہر پر بیوی کا حق ہے۔ لہٰذا اسے یہ لازماً دلایا جائے گا اور معاف کرنے کے علاوہ کسی صورت میں چھوڑا نہیں جائے گا۔ یہ وہ چند حقوق ہیں جو مطلقہ عورت کے بارے میں نہایت اختصار سے بیان کیے گئے ہیں۔ مزید تفصیل بڑی کتابوں میں اور خاص طور پر اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں میں ملاحظہ کریں۔

خاتمہ

قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں غریبوں، مسکینوں یتیموں، معذوروں، مقہوروں اور مسافروں کے بارے میں یہ واضح ہدایات ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں قیامت تک کے لیے ثبت فرمادی ہیں۔

رفاہی کام کے محدود تصور یا سطحی نظر کی بنا پر بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ رفاہی کام غیر مسلم ہی کر رہے ہیں. حالانکہ اسلام نے رفاہی کاموں میں دو باتوں پر خاص طورپر زور دیا ہے۔ ایک ان کاموں سے رضائے الٰہی کا حصول اور دوسرا حقوق العباد کی ادائیگی جبکہ دوسروں کے ہاں یہ دونوں باتیں کم پائی جاتی ہیں۔ ان کے ہاں شہرت ، سیاسی مقاصد، ان کے ملکی اغراض اور اپنی قوم کے لیے منڈیاں تلاش کرنا، اپنے مذہب کو پھیلانا اور اپنے لیے نرم گوشہ پیدا کرنا ہوتا ہے۔

ہم مسلمان کتاب اللہ کی صداقت، حقانیت پر ایمان رکھتے ہیں، اس کی ہدایت اور نورانیت پر یقین رکھتے ہیں، اس کے فلاحی و رفاہی نظام پر اطمینان رکھتے ہیں، عقیدت و احترام اور جر و ثواب اورفلاحی دارین کے لیے اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ لہٰذا ان باتوں کا تقاضا ہے کہ اسے سمجھ کر پڑھیں پھر اپنی عملی زندگی میں اسے اختیار کریں۔

آج ہم کمزور طبقات کے بارے میں قرآن مجید کے بیان کردہ ان احکام پرعمل کریں اور ان لوگوں کے حقوق ادا کریں تو ہمار امعاشرہ صحیح معنی میں اسلامی معاشرہ بن جائے، دکھیارے انسانوں کے دکھ دُور ہوجائیں اور عدل، انصاف، حقوق و فرائض کی ادائیگی اور امن و سکون والا معاشرہ قائم ہوجائے۔ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے جس میں کوئی حاجتمند اپنی حاجت براری کے لیے پریشان نظر نہ آئے۔ کوئی ضرورتمند اپنی ضرورت کے لیے کسی کے سامنے

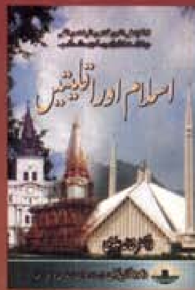
ہاتھ نہ پھیلائے۔ کوئی یتیم بچہ دھکے کھاتا نہ پھرے۔ کوئی بیوہ اور مطلقہ عورت بے سہارا نہ رہے اور ٹھوکریں کھاتی نہ پھرے اور کوئی مسافر اجنبیت محسوس نہ کرے۔

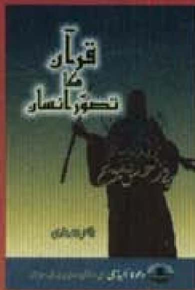
اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں اپنی رضا کی خاطر رفاہی کام کرنے اور حق داروں کے حقوق پہچاننے اور ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

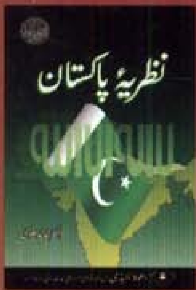
حواشی وحوالہ جات

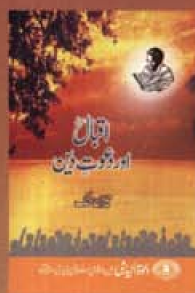
۱: سیرت ابن ہشام ج۱، ص۱۱۶
۲: سورۃ بنی اسرائیل ۱۵: ۲۳-۳۸
۳: محمد شفیع : مفتی محمد شفیعؒ تفسیر معارف القرآن: ج۸، ص ۷۵۲
۴: مودودی: سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ص۲۷
۵: عثمانی: مولانا شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی ، مطبوعہ قرآن کمپلیکس مدینہ منورہ
۶: ایضاً
۷: مودودی: مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی: تفہیم القرآن
۸: مفتی : محمد شفیع، معارف القرآن، ج۸، ص۵۴۴
۹: ایضاً ج۸، ص۴۴۳
۱۰: مودودی: سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن ج۳، ص ۴۰۲
۱۱: مودودی: مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، تفسیر تفہیم القرآن ج۲
۱۲: ایضاً
۱۳: مودودی، سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفسیر تفہیم القرآن ج۲
۱۴: عثمانی: مولانا شبیر احمد عثمانی ، تفسیر عثمانی
۱۵: مودودی: سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن
۱۶: محمد شفیع: مفتی محمد شفیع ، معارف القرآن ج۲
۱۷: عثمانی: مولانا شبیر احمد عثمانی ، تفسیر عثمانی ص ۱۱۹
۱۸: مودودی: تلخیص تفہیم القرآن، صدر الدین اصلاحی ہمطبوعہ ترجمان القرآن، ص۸۷۶
۱۹: جسٹس: جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، مجموعہ قوانین اسلام، ج۵، ص ۱۷۰۱، مطبوعہ آئی آر آئی، اسلام آباد
۲۰: ڈاکٹر وہبہ، ڈاکٹر استاد وہبہ زحیلی۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ واحکامہ ج۸، ص۳۱۴، مطبوعہ بیروت

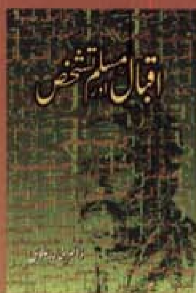
ہماری چند دیگر مطبوعات

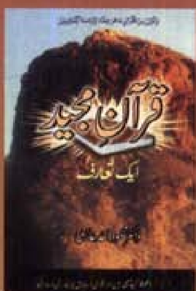


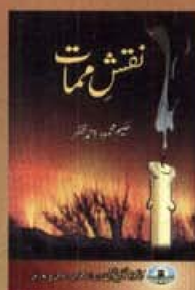


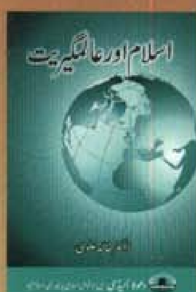


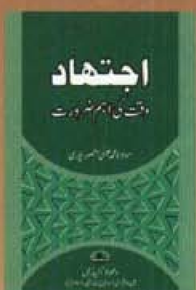












دعوۃ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی

پوسٹ بکس: 1485 اسلام آباد، پاکستان فون: 9261751-4, 2262031 فیکس: 2261648
ای میل: publications.da.iiui@gmail.com ویب سائٹ: www.dawahacademy.org